ماہ محرم الحرام
۱۴۴۵

علماء حق کا دینی، علمی، ادبی، ثقافتی، اصلاحی، فکری نامہ

ماہنامہ

السلطان

بیادگار: شیر میسور حضرت ٹیپو سلطان علیہ الرحمۃ

زیر سرپرستی: حضرت مولانا ڈاکٹر تمیم احمد قاسمی مدظلہ

نامور عالم و فاضل ادیب و محقق

چیرمین آل انڈیا تنظیم فروغ اردو۔ ممبر آل انڈیا ملی کونسل چنئی۔ سکریٹری جمعیۃ علماء تمل ناڈو

زیر نگرانی: حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف صاحب مدظلہ

امام و خطیب مصلی الجبتور دبئی

خلیفہ حضرت حکیم اختر صاحب، مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی، علامہ قمر الزماں صاحب الہ آبادی

مدیر:
محمد مدثر الصالحی

نائب مدیر:
مولانا عبد الرزاق صدیقی قاسمی

رابطہ نمبر

+919900422083
+919353942349

علماء حق کا دینی، علمی، ادبی، ثقافتی، اصلاحی ماہنامہ

السلطان

بیادگار: شیر میسور حضرت ٹیپو سلطان رحمہ اللہ

نامور عالم وفاضل، ادیب ومحقق

زیر سرپرستی: حضرت مولانا ڈاکٹر تمیم احمد صاحب قاسمی مدظلہ

چیرمین آل انڈیا تنظیم فروغ اردو، ممبر آل انڈیا ملی کونسل چنئی، سکریٹری جمعیۃ علماء تل ناڈو

محبوب العلماء والصلحاء

زیر نگرانی: حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف صاحب قاسمی مدظلہ

خلیفہ: حکیم اختر صاحبؒ، پیر ذوالفقار احمد نقشبندی، علامہ قمر الزماں الہ آبادی وامام وخطیب مصلی الجمتوردبئی

مدیر

مدثر الصالحی

نائب مدیر

مولانا عبدالرزاق صدیقی وقاسمی

معاونین

اشہد احمد میسور

صابر حسین تلنگانہ

محمد ابوذر میسور

محمد ایاز مہاراشٹرا

اداریہ

شذرات

از: مدیر محمد مدثر الصالحی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

اس وقت برصغیر میں رسائل وجرائد بے شمار شائع ہو رہے ہیں اور ہوتے بھی آئے ہیں جو دینی، علمی، ادبی، ثقافتی، سیاسی، مذہبی، سماجی وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور اس کی اہمیت بھی بہت ہے اگر کہے تو کتابوں سے زیادہ جرائد ورسائل سے لوگ دل چسپی رکھتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ کتاب میں ایک ہی مصنف کے نظریات وافکار ہوتے ہیں برخلاف جرائد ورسائل کے اس میں مختلف لوگوں کے مضامین ہوتے ہیں جو مختلف قسم کے رنگارنگ سے مزین ہوتے ہیں اس لئے قارئین اس کو شوق سے پڑھتے ہیں اور شدت سے اس کا انتظار بھی کرتے ہیں۔

جرائد ورسائل کی تاریخ:

اور ان جرائد ورسائل کی تاریخ بھی بڑی طویل ہے جناب سہیل انجم صاحب اس کی تاریخ کے متعلق فرماتے ہیں" اگر ہم دینی مجلّات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں تو مذہبی صحافت کا ایک وسیع منظر نامہ ہماری نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتا ہے جس کی بوقلمونی حیران وششدر کر دیتی ہے۔ یہ صحافتی منظر نامہ دو چار دنوں کی بات نہیں بلکہ تقریباً پونے دو صدی پر محیط ہے۔ اس کی ایک مکمل تاریخ ہے جسے مدارس کا اسلامی ورثہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس میں بڑا تنوع ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے افکار نے اس میں بڑی رنگارنگی اور جاذبیت پیدا کر دی ہے اور اس کے دامن کو بہت وسیع کر دیا ہے۔

اس کے خمیر میں سنجیدگی کے عوامل بھی ہیں اور جذباتیت کے عناصر بھی۔ اس کی شیرازہ بندی مثبت اور منفی دونوں رویوں سے ہوئی ہے۔ یہ رویے کبھی بہت مضبوط اور مستحکم شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں اور کبھی لچکدار انداز میں۔" (دینی رسائل کی صحافتی خدمات ص ۲۱)"

ماہنامہ السلطان کی اہمیت:

ہمارا ماہنامہ خالص دینی، علمی، اصلاحی، ادبی، ثقافتی، ہوگا اور یہ عام ہے نہ کسی مسلک کے ساتھ خاص ہوگا اور نہ کسی مسلک کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی اس میں کسی کو مجروح کیا جائے گا اور نہ ہی کسی کی توہین وتنقیص بلکہ ہر طرح کے آلائشوں سے پاک ومنزہ ہوگا۔

مقاصد:

1) سلک اہل سنت کی ترویج واشاعت اور فرق باطلہ کی بیخ کنی۔

2) مثبت انداز میں دینی شعور پیدا کرنا۔

3) عقائد صحیحہ کی ترویج اور عقائد باطلہ کا سدباب۔

4) دورے جدید کے نت نئے فتنوں کا علمی، وتحقیقی تعاقب۔

5) شریعتِ اسلامیہ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات۔

6) بدعات وخرافات کا قلع قمع کرنا۔

7) اکابر واسلاف کی خدمات کو اجاگر کرنا۔

کچھ حال دل:

ماہنامے، مجلّات، رسالے وغیرہ بے شمار نکلے ہیں اور الحمدللہ ابھی تک نکل رہے ہیں جو، دینی ،ادبی، علمی، تحقیقی، ثقافتی، ہوتے ہیں بندے کو بھی کہی سال سے ایک خواہش تھی کے وہ بھی ایک ماہنامہ شائع کرے جو اکابرین کے ماہناموں کے نہج پر ہو الحمدللہ رب ذوالجلال نے اپنے کرم وعنایت سے آج وہ آرزو تکمیل کو پہنچائی۔ بندہ قارئین سے ادبا گزارش کرتا ہے کہ اس ماہنامے سے خود بھی زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور دوسروں تک اس کو پہنچائیں اور ان کو بھی اس سے استفادہ کی ترغیب دلائیں۔اس وقت بندہ اگر حضرت اقدس مفتی ثمین اشرف صاحب قاسمی حفظہ اللہ اور ڈاکٹر مولانا تمیم احمد صاحب حفظہ اللہ کا ذکر خیر نہ کرے تو یہ مناسب نہ ہوگا۔

بندہ ان اکابرین کا بڑا ہی ممنون ومشکور ہے کہ ان اکابرین نے بندے کی حقیر سی درخواست قبول فرما کر سرپرستی کے لئے آمادہ ہوگئے یہ ان کی بے پناہ شفقت وعنایت ہے اللہ تعالیٰ ان اکابرین کا سایہ ہم پر تادیر قائم ودائم رکھے ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین ۔۔اور اسی طرح بندہ تمام مضمون نگاروں کا بھی ممنون ومشکور ہے کہ بندے کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا اور مضامین لکھ کر مجلّے کو چار چاند لگا دئے۔ جزاکم اللہ خیراً کثیرا۔

اور اسی طرح بندہ برادر عزیز مولانا عبدالرزاق صاحب صدیقی وقاسمی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے کے انہوں نے بندے کو ہمت دلائی اور معاونت کے لئے تیار ہوئے اللہ ان کو بھی بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

مضمون نگاروں سے چند گزارشات

1) یہ مجلہ برقی ہوگا اور ہر ماہ کے پہلے ہفتے میں یہ ماہنامہ شائع ہوگا۔

2) کیونکہ ہمارا مجلہ مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوگا، اسی لئے ہر ایک مضمون نگار سے گزارش ہے کہ وہ ماہ کے آخری ہفتے تک اپنے اپنے مضامین جمع کر دیں۔

3) ہر مضمون کم از کم تین صفحہ زیادہ پانچ صفحات تک کی گنجائش رہے گی۔

4) ہندوستانی حالات کے پیش نظر کوئی غیر قانونی بات نہیں کی جائے گی جس کی وجہ سے کوئی خطرہ درپیش ہو۔

5) مضامین اصلاحی ہو۔

6) کسی کی تحقیر، تذلیل، تنقیص، نہ ہو۔

7) مثبت داعیانہ مضامین ہوں۔

عناوین

1 درس قرآن۔

2 درس حدیث۔

3 مسائل۔

4 دورہ حاضر کے فتنے۔

5 شریعتِ اسلامیہ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات۔

6 طلبہ کے لئے انمول تحفہ۔

7 معاشرتی بیماریوں کا سدباب۔

8 شخصیات۔

9 افادات۔

درسِ قرآن

قرآن کریم کے پانچ تقاضے

از: علامہ ابوعمار زاہد الراشدی صاحب

میں عام طور پر عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے خود جو تقاضے کیے ہیں اپنے بارے میں ہم مسلمانوں سے، وہ بہت سے ہیں، میں تین چار کا ذکر کر دیتا ہوں۔

(۱) قرآن کریم نے پہلا تقاضہ یہ کیا ہے ''فاقرءوا ما تیسر من القرآن''۔ قرآن کریم کچھ نہ کچھ آسانی کے ساتھ پڑھتے رہا کرو، یعنی ایک مسلمان کے معمولات میں قرآن کریم کی تلاوت ہونی چاہیے۔ اور دن رات کی جو روٹین ورک ہے، معمولات میں قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی نہ کوئی معمول ہونا چاہیے۔

(۲) دوسری بات یہ فرمائی قرآن کریم نے ''ورتل القرآن ترتیلا''۔ قرآن کریم کو ترتیل سے، صحیح تلفظ کے ساتھ، صحیح لہجے میں پڑھا کرو۔ یہ ضروری ہے۔ ہر زبان میں ضروری ہوتا ہے کہ زبان کو صحیح تلفظ کے ساتھ، صحیح لہجے میں بولا جائے۔ کسی بھی زبان کا کوئی لفظ اگر صحیح تلفظ سے نہیں بولا جاتا تو معنیٰ بگڑ جاتا ہے۔ ایک دفعہ میں تقریر کر رہا تھا تو ایک نوجوان کچھ لکھ رہا تھا، میں نے پوچھا بیٹا کیا کر رہے ہو؟ کہتا ہے آپ کی تقریر کے نوٹس (Notice) لے رہا ہوں۔ میں نے کہا بیٹا ''نوٹس لینا'' تمہارا کام نہیں، یہ تھانے والوں کا کام ہے، نوٹس (Notes) لینے ہیں تو لے لو۔ ایک لفظ کے صرف تلفظ بگڑنے سے معنیٰ کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ تو یہ سیکھے بغیر نہیں ہوتا، انگریزی کے الفاظ اسپیلنگز سیکھے بغیر ہم نہیں بول سکتے، اردو میں سیکھنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی سیکھنا پڑتا ہے، سیکھے بغیر قرآن کریم صحیح نہیں پڑھا جاتا۔

اور ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا کہ دوسری کسی زبان میں، اردو میں، پنجابی میں، پشتو میں، انگلش میں، فارسی میں کوئی لفظ غلط بولیں تو معنیٰ بدلتا ہے، لیکن قرآن کریم میں صرف معنیٰ نہیں بدلتا، قرآن کریم

میں اگر معنیٰ بدل جائے تو بسا اوقات ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ورتل القراٰن ترتیلاً۔

(۳) قرآن کریم کا تیسرا تقاضا یہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "بل ھو اٰیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم"۔ قرآن کریم اللہ کی آیات ہیں، اہل علم کے سینوں میں ہوتی ہیں۔ یہاں شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے ایک جملہ لکھا ہے کہ قرآن کریم کی اصل جگہ سینہ ہے، کتابت امر زائد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں تو یاد ہونا چاہیے، کتابت تو ہماری ضرورت ہے کہ یاد نہ ہو تو لکھا ہوا پڑھ لو۔ تو یہ سینے کے اندر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم پورا یاد ہو جو سب سے بہتر ہے۔ نہیں تو کم از کم کچھ نہ کچھ تو یاد ہو۔ اتنا کہ، میں اس کی مقدار عرض کیا کرتا ہوں، اتنا کم از کم ضرور یاد ہونا چاہیے ہر مسلمان مرد اور عورت کو کہ پانچ وقت کی نماز فجر سے عشاء، فرائض، سنتیں اور واجبات وغیرہ پڑھ سکے، اور ان میں جو قراءت کرنی ہے وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کر سکے، اتنا تو کم از کم ضرور یاد ہونا چاہیے۔

(۴) چوتھی بات قرآن کریم نے یہ فرمائی ہے "حتیٰ تعلموا ما تقولون"۔ جو کہہ رہے ہو تمہیں سمجھ بھی آ رہا ہو۔ یہ قرآن کریم ہی کے بارے میں ہے اور قرآن کریم ہی کا جملہ ہے کہ جو تم زبان سے بول رہے ہو تمہیں سمجھ بھی آ رہا ہو۔ قرآن کریم سمجھ کر پڑھنا یہ قرآن کریم کا تقاضا ہے۔ قرآن کریم سمجھ کر پڑھنا، یہ عام آدمی کی ذمہ داری ہے، اور قرآن کریم کو سمجھا کر پڑھانا یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم کے ساتھ ایک مسلمان کا فہم کا تعلق اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ وہ جو پڑھ رہا ہو اسے سمجھ میں آ رہا ہو۔ ویسے بھی کامن سینس کی بات ہے کہ اللہ کا کلام ہے، اللہ کا پیغام ہے، میرے لیے ہے، اللہ مجھے پیغام دے رہا ہے تو مجھے سمجھنا چاہیے۔ پیغام کو قبول کرنا، عمل کرنا بعد کی بات ہوتی ہے، سب سے پہلا حق ہوتا ہے کہ اس کو سمجھا جائے۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ہماری عجیب حالت ہے، ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ

تعالیٰ ہم سے باتیں کرتا ہے، لیکن ہم سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، کوشش نہیں کرتے۔ نماز میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ سے باتیں کررہے ہیں، اور وہ بھی ہم سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اللہ کیا کہتا ہے، مجھے کچھ پتہ نہیں۔ میں اللہ سے کیا باتیں کررہا ہوں، مجھے کچھ پتہ نہیں۔ تو قرآن کریم کا تقاضا یہ ہے کہ سمجھ کر پڑھو جو بھی پڑھ رہے ہو۔

(۵) قرآن کریم کا ایک تقاضا اور ہے جو اللہ رب العزت نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا "انا انزلنا الیك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس"، ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان حکم کریں، فیصلے کریں، یہ قرآن کریم حکم کی کتاب ہے، فیصلوں کی کتاب ہے۔ ہم نے کوئی رہنمائی لینی ہے تو قرآن سے لیں گے، اور کسی معاملے میں فیصلے کی کوئی بات الجھ گئی ہے تو قرآن کریم سے پوچھیں گے۔ قرآن کریم حکم، قانون، ضابطہ، فیصلہ کی کتاب ہے، یہ تو ہم نے بالکل ہی نظر انداز کررکھا ہے۔ ہمارے گھریلو، خاندانی، معاشرتی، تجارتی، سیاسی، قانونی، اجتماعی معاملات میں قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کی جائے، قرآن کریم ہمارے درمیان میں پڑا ہو، اور ہم اپنے مسائل کو قرآن کریم کھول کر حل کریں، اور قرآن کریم کو جاننے والے ہمارے مسائل کے فیصلے کررہے ہوں۔ یہ قرآن کریم کا تقاضا ہے، آج کل ہماری اس پر توجہ نہیں ہے۔ یہ دو تین تقاضے قرآن کریم کے میں نے عرض کیے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس میں اپنا اپنا حصہ کچھ نہ کچھ ادا کرسکیں۔

درسِ حدیث

حدیث نبویؐ کی تین نمایاں حیثیتیں

از: علامہ ابوعمار زاہد الراشدی صاحب

بعد الحمد والصلوٰۃ آج مجھے حدیث نبویؐ کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کرنی ہیں۔ حدیث لغوی طور پر گفتگو اور بات چیت کو کہتے ہیں مگر شریعت میں اسے جناب نبی اکرمؐ کے حوالہ سے گفتگو کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے، اور حدیث نبویؐ میں جناب نبی اکرمؐ کے ارشادات اور افعال و اعمال کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے ایسے اقوال و اعمال کو بھی شمار کیا جاتا ہے جو نبی اکرمؐ کے علم و مشاہدہ میں آئے اور آپؐ نے ان پر خاموشی اختیار کر کے ان کی تصویب و توثیق فرما دی۔ صحابہ کرامؓ نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ان احادیث کو یاد رکھا اور روایت کر کے امت کی اگلی نسل تک پہنچایا، اور پھر محدثینؒ نے بڑی محنت اور اہتمام کے ساتھ ان احادیث کو جمع و ترتیب اور چھان پھٹک کے ساتھ سینکڑوں کتابوں اور مجموعوں میں محفوظ کر دیا۔ حدیث نبویؐ کی مختلف حیثیتیں ہیں اور اس بحر ذخار کے مختلف پہلوؤں سے مسلسل استفادہ کیا جا رہا ہے جن میں سے دو تین کا آج کی مختصر گفتگو میں ذکر کرنا چاہوں گا۔ حدیث نبویؐ کی سب سے بڑی حیثیت یہ ہے کہ یہ تمام علم دینیہ کا مأخذ اور سرچشمہ ہے، دین کے حوالہ سے ہمیں جو چیز بھی حاصل کرنی ہے اس کا ذریعہ حدیث نبویؐ ہے۔ قرآن کریم بھی اسی کے ذریعے ملا ہے، سنت کا تعین بھی اسی کی بنیاد پر ہوتا ہے، فقہ و احکام کی ترتیب میں بھی یہی اساس ہے، اور جناب نبی اکرمؐ کی سیرت و سوانح بھی اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی معرکۃ الاراء کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" کا آغاز اس جملہ سے کیا ہے کہ "ان عمدۃ العلوم الیقینیۃ

ورأسها ومبنى الفنون الدينية وأساسها هو علم الحديث النبوى الشريف“
علوم یقینیہ (یعنی وحی سے متعلقہ علوم) کی بنیاد اور فنون دینیہ کی اساس علم حدیث نبویؐ ہے۔
یوں سمجھ لیجئے کہ وحی اور دین سے متعلقہ تمام علوم وفنون کے لیے حدیث نبویؐ بنیادی ذریعہ کی حیثیت رکھتی ہے اور علم وفن کی ہر بات ہمیں اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ حدیث نبویؐ قرآن کریم کا ماٴخذ بھی ہے کہ قرآن کریم کی کسی سورۃ اور آیت کے بارے میں یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ قرآن کریم ہی کی سورۃ اور آیت ہے ہمارے پاس حدیث نبویؐ کے سوا اور کوئی ذریعہ اور واسطہ موجود نہیں ہے۔ قرآن کریم کو صحابہ کرامؓ نے اسی طرح یاد کیا ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، یہ فلاں سورۃ کا حصہ ہے اور اسے وہاں فلاں آیت کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ یہی قرآن کریم کے حفظ و ترتیب کی سب سے پہلی بنیاد ہے اور اس میں ہمیں سب سے پہلے ”جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے“ پر ایمان لانا ہوتا ہے اس کے بعد اس آیت یا سورۃ پر ہم ایمان لاسکیں گے۔ اگر ”جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے“ پر ایمان نہیں ہے تو قرآن کریم کی کسی سورۃ اور کسی آیت پر ایمان ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لیے میں اکثر یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ دلائل کی ترتیب میں قرآن کریم مقدم ہے اور حدیث نبویؐ کا نمبر دوسرا ہے، لیکن ایمان کی ترتیب میں حدیث نبویؐ مقدم ہے اور قرآن کریم پر ایمان حدیث نبویؐ پر ایمان پر موقوف ہے۔ مثال کے طور پر یہ دیکھ لیجئے کہ سورۃ الکوثر قرآن کریم کی سورۃ ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے، مگر اس کی ترتیب یہ ہے کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ یہ حضرت جبریلؑ لے کر آئے ہیں اور یہ قرآن کریم کی سورۃ ہے۔ اب یہاں ”جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے“ پر ہم پہلے ایمان لائے ہیں اور ”سورۃ الکوثر قرآن کریم کی سورۃ ہے“ پر ہم بعد میں ایمان لاتے ہیں۔ اس ترتیب کے بغیر قرآن کریم کے کسی لفظ اور جملے پر ایمان نہیں لایا جاسکتا، اس لیے حدیث نبویؐ نہ صرف تمام علوم دینیہ کا ماٴخذ اور سرچشمہ ہے بلکہ قرآن کریم تک رسائی کا ذریعہ بھی یہی ہے اور اس پر قرآن کریم کی طرح بلکہ اس سے پہلے

ایمان لانا ضروری ہے۔حدیث نبویؐ کی دوسری بڑی حیثیت یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی تشریح ہے اور قرآن کریم کے کسی جملہ اور لفظ کا مفہوم طے کرنے کے لیے سب سے بڑی اتھارٹی ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کسی بھی کلام میں اس کے کسی جملے اور محاورے یا ضرب المثل کا مفہوم ومصداق طے کرنے کا سب سے پہلا حق متکلم کا ہوتا ہے۔اگر متکلم خود اپنے کسی جملے اور قول کا مفہوم ومصداق متعین کر دے تو پھر کسی اور کا یہ حق باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ اس کا کوئی اور مفہوم اپنی طرف سے طے کرے۔مثال کے طور پر میں آپ حضرات سے گفتگو کر رہا ہوں، میری کسی بات میں ابہام ہے یا کسی صاحب کو میری کوئی بات سمجھ نہیں آئی، یا میری کسی بات کا کوئی صاحب غلط مطلب سمجھے ہیں، تو مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہے؟ اور اگر میں یہ کہہ دوں گا کہ میری اس بات کا یہ مطلب ہے اور اس سے میری مراد یہ ہے تو پھر اس کا وہی مطلب ہوگا اور کسی دوسرے شخص کا یہ حق باقی نہیں رہ جائے گا کہ وہ اس کا کوئی الگ مفہوم قرار دے۔قرآن کریم میں متکلم اللہ تعالیٰ ہیں اور یہ ان کا کلام ہے۔ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کا مفہوم طے کرنے یا کسی الجھن اور اشکال کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست بات تو نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی کا اللہ تعالیٰ سے کوئی براہ راست رابطہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے ساتھ رابطہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ موجود ہے۔

رسول اللہ کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں، اور نمائندہ جب کوئی بات کرتا ہے تو وہ بات اس کی نہیں ہوتی بلکہ جس کا نمائندہ ہوتا ہے اس کی بات شمار کی جاتی ہے۔مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنے کاروبار کے دفتر میں بیٹھے ہیں اور کسی فرم کا کوئی نمائندہ آپ کے پاس کاروباری معاملات طے کرنے کے لیے آیا ہے، آپ کا یہ حق ہے کہ اس کے نمائندہ ہونے کے بارے میں تسلی کریں، اس سے انٹرویو کریں، کاغذات چیک کریں، فون کر کے معلومات حاصل کریں اور پورا اطمینان حاصل کریں کہ یہ صاحب اس کے نمائندہ ہیں یا نہیں، اس کے بعد آپ کا یہ بھی حق ہے کہ آپ

ان کو نمائندہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ لیکن جب آپ نے ان صاحب کو اس فرم کا نمائندہ تسلیم کر لیا اور اس حیثیت سے ان کے ساتھ گفتگو شروع کر دی تو پھر آپ کو ان سے کسی بات پر یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ یہ بات آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا فرم کی طرف سے؟ یا کیا یہ بات آپ اپنی فرم سے پوچھ کر کہہ رہے ہیں؟

کیونکہ یہ دردسر آپ کا نہیں ہے کہ وہ کوئی بات فرم سے پوچھ کر کہہ رہے ہیں یا بغیر پوچھے، وہ جو بات بھی کہہ رہے ہیں فرم کی نمائندہ کے طور پر کہہ رہے ہیں، پوچھ کر کہیں تو بھی فرم کی بات ہے اور بغیر پوچھے کہیں تو بھی وہ فرم کی بات ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی کسی بات پر کوئی اشکال ہوگا یا الجھن ہوگی تو متکلم کے نمائندے سے یعنی رسول اللہؐ سے رجوع کیا جائے گا اور وہ جو تشریح و تعبیر فرما دیں گے وہ متکلم کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ اور اگر قرآن کریم کی کسی آیت یا جملہ کی تشریح میں جناب نبی اکرمؐ سے صحیح روایت کے ساتھ کوئی بات ثابت ہو جائے گی تو وہی حتمی تعبیر ہوگی۔ اور اس کے بعد کسی صاحب کا یہ حق باقی نہیں رہ جائے گا کہ وہ یہ کہے کہ ٹھیک ہے اس آیت کا مطلب جناب نبی اکرمؐ یہ سمجھے ہوں گے لیکن میری سمجھ میں تو اس کا یہ مطلب آ رہا ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرمؐ سے کسی تشریح کے ثابت ہو جانے کے بعد ''میں یہ سمجھا ہوں'' کا حق ختم ہو جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے حضرات کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا معمول یہی تھا کہ قرآن کریم کی کسی آیت کے سمجھنے میں دقت پیش آتی تھی تو جناب نبی اکرمؐ سے رجوع کرتے تھے اور نبی اکرمؐ اس کا جو مفہوم بیان کر دیتے وہی حتمی سمجھا جاتا تھا، اس پر احادیث نبویہؐ کے ذخیرے سے بیسیوں شواہد پیش کیے جا سکتے ہیں، جن میں مثال کے طور پر ایک کا ذکر کروں گا۔ قرآن کریم کی آیت کریمہ ہے "یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" (المائدہ ۱۰۵) اے ایمان والو! تم پر لازم ہے کہ اپنی فکر کرو اگر کوئی اور شخص گمراہ ہوتا ہے تو تمہیں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے اگر تم ہدایت پر ہو۔

اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ بنتا ہے کہ ہر مسلمان کو صرف اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے اور کسی دوسرے شخص کے ہدایت پر آنے یا گمراہ ہونے کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اگر اس آیت کریمہ کو اس ظاہری مفہوم پر رکھا جائے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وہ اہمیت باقی نہیں رہ جاتی جو اسے دین میں حاصل ہے۔ بلکہ اس آیت کریمہ نے تو حضرت صدیق اکبرؓ کے اس جہاد کے بارے میں بھی اشکال کھڑا کر دیا تھا جو انہوں نے مرتدین کے خلاف اور منکرین زکوٰۃ اور منکرین ختم نبوت کے خلاف کیا تھا، حتیٰ کہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ کو خطبہ میں اس کی باقاعدہ وضاحت کرنا پڑی تھی۔ لیکن میں یہاں ترمذی شریف کی ایک روایت کا حوالہ دینا چاہوں گا کہ ایک صاحب نے حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا اور اس سلسلہ میں اسی اشکال کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کریمہ کے بارے میں جناب نبی اکرمؐ سے پوچھ لیا تھا اور آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ ”بل ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنكر حتى اذا رايت شحًا مطاعًا وهوى متبعًا ودينا مؤثرة واعجاب كل ذى رأى برأيه فعليك بخاصة نفسك ودع العوام فان من ورائكم ايامًا الصبر فيهن مثل القبض على الجمر ۔۔ الخ“

بلکہ تم امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ دور آئے گا جب بخل انسانوں پر حکمرانی کرنے لگے گا، خواہشات کی پیروی عام ہو جائے گی، دین کو ثانوی درجہ دے دیا جائے گا اور ہر شخص اپنی ہی رائے پر خوش ہونے لگے گا، تو پھر تم صرف اپنی فکر کرنا اور عام لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، اس لیے کہ اس کے بعد وہ زمانہ ہوگا جس میں دین پر صبر کرنا انگارے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہوگا۔ گویا جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ یہ آیت اپنے ظاہری مفہوم پر نہیں ہے بلکہ اس کا خاص مفہوم ہے اور خاص حالات میں اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے حدیث نبویؐ کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کی شرح ہے اور قرآن کریم کی کسی آیت یا جملے کا مفہوم متعین کرنے میں

فائنل اتھارٹی کا درجہ رکھتی ہے۔حدیث نبویؐ کی تیسری حیثیت یہ ہے کہ جناب نبی اکرمؐ کی سیرۃ واسوۃ اور حالات وواقعات کا ماٰخذ اور سرچشمہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے مطاع قرار دیا ہے اور قرآن کریم کے ساتھ سنت نبویؐ کی پیروی کا بھی حکم دیا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (النساء ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت موقوف ہے جناب نبی اکرمؐ کی اطاعت پر، اور رسول اکرمؐ کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن ہی نہیں ہے۔اس طرح جناب نبی کریمؐ کو اللہ تعالیٰ نے مطاع اور اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرما کر ہمارے لیے یہ راستہ کھلا نہیں چھوڑ دیا کہ ہم قرآن کریم کو پڑھیں اور جیسے ہماری سمجھ میں آئے اس کے مطابق عمل کریں، قرآن کریم پر عمل کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کے لیے آئیڈیل اور معیار جناب نبی اکرمؐ کو بنایا گیا ہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم پر عمل اگر جناب نبی اکرمؐ کی سنت اور اسوہ کے مطابق ہوگا تو وہ قرآن کریم کی پیروی شمار ہوگا، ہمیں حکم یہ ہے کہ عمل قرآن کریم پر کرو لیکن اس کے لیے فالو جناب نبی اکرمؐ کو کرو۔ اس طرح قرآن کریم کے ساتھ ساتھ جناب نبی اکرمؐ کی سنت کو بھی واجب الاتباع اور مطاع کا درجہ حاصل ہے اور جناب نبی اکرمؐ کی سیرت وسنت کا اصل ماخذ احادیث نبویہ ہی ہیں۔

حضورؐ کے ارشادات واقوال، اعمال واحوال اور واقعات کی تفصیل میں احادیث کے ذخیرہ میں ملتی ہے اور اس طرح سنت رسولؐ کا ماخذ بھی حدیث نبویؐ ہے۔ یہ جناب نبی اکرمؐ کا اعزاز واعجاز ہے کہ آپ کی سیرت طیبہ، احوال وواقعات اور ارشادات واقوال جس تفصیل کے ساتھ حدیث وتاریخ کے ریکارڈ میں موجود ومحفوظ ہیں، نسل انسانی کی کسی اور شخصیت کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا۔ ہم آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ کے جس حصے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور زندگی کے جس مسئلہ کے بارے

میں جناب نبی اکرمؐ کی سنت وسیرت سے راہنمائی حاصل کرنا چاہیں ہمیں مل جاتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا امت مسلمہ پر احسان ہے، جناب نبی اکرمؐ کا معجزہ اور قیامت تک اسلام کی صداقت اور تسلسل کا اظہار ہے۔اس لیے حدیث نبویؐ کو دین میں بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے، جو نہ صرف قرآن وسنت کا ماخذ ہے بلکہ جناب نبی اکرمؐ کی سیرت واسوہ کا بھی سرچشمہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حدیث نبویؐ پر ایمان میں استقامت سے نوازیں اور قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ واعتماد اور اس کا حقیقی مفہوم

از: حافظ محمد ابراہیم نقشبندی خلیفہ مجاز پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: 3)

ترجمہ: ''اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس (کا کام بنانے) کے لیے کافی ہے''۔ایک اور جگہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر: 36) ترجمہ: ''(اے پیغمبر!) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ یقیناً اللہ اپنے بندے کے لیے کافی ہے۔اور قرآن مجید میں اللہ پر توکّل کرنے والوں کے لیے بتایا گیا ہے کہ اللہ اِن سے محبت کرتے ہیں۔ہم اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور اسی پر توکل کریں، اللہ تعالیٰ آسانی فرما دیں گے۔ دنیا دار الاسباب ہے، یہاں اسباب اختیار کرنے ہیں، لیکن نظر اسباب پر نہیں رکھنی۔سارا امتحان ہی اسی کا ہے۔کافر کی نظر اسباب پر ہوتی ہے اور مؤمن کی نظر اللہ کی ذات پر ہوتی ہے۔اُونٹ باندھ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا کھلا چھوڑ دوں پھر توکّل کروں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلے باندھو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ (سنن ترمذی: رقم 2517) کسان اور اس کا کھیت: توکل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اسباب اختیار کرنا چھوڑ دے۔ دیکھیں! کسان نے اپنے کھیت کی زمین کو نرم کیا، بیج ڈالا، ہل چلا کر اس نے محنت کی۔ اب یہ توکّل کر رہا ہے، اللہ پر بھروسہ کر رہا ہے کہ فصل ہوگی۔ فصل کی نگرانی بھی کر رہا ہے اور دعائیں بھی کر رہا ہے۔ اس کا یہ اُمید رکھنا حق ہے اور جائز ہے۔

اس کے بالمقابل ایک اور کسان ہے جو گھر بیٹھا رہتا ہے، نہ ہل چلاتا ہے، نہ بیج ڈالتا ہے اور نہ کوئی محنت کرتا ہے، اور خیال کرتا ہے کہ میری کھیتی نکل آئے گی۔ اس کو ہم سب غلط کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بھی دے سکتا ہے، اور ویسے بھی دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی کی محنت کے محتاج نہیں ہیں، لیکن اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دارالاسباب بنایا ہے۔ ہم نے محنت کرنی ہے اور محنت کرنے کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا ہے۔ آخرت کے معاملے میں توکل کیا ہے؟ جیسے دنیا کے معاملے میں محنت کرنے کے بعد ہم اچھے نتیجہ کے طالب ہوتے ہیں، اور بغیر محنت کیے اچھے نتیجہ کی امید نہیں ہوتی۔ صرف دنیا کے معاملے میں ہی ایسا نہیں ہے، آخرت کے معاملے میں بھی ایسا ہے۔ نماز بھی ہم نے پڑھنی ہے، اعمالِ صالحہ بھی ہم نے کرنے ہیں، پردہ بھی کرنا ہے، نیکی اور تقویٰ کی زندگی گزارنے کی کوشش کرنی ہے۔ غلطی اور گناہ ہو جائے تو توبہ کرنی ہے۔ ان تمام اعمال کے کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ گمان کریں اور اُمید رکھیں کہ اِن شاء اللہ العزیز مجھے اس کی رضامندی اور فضل سے جنت ملے گی۔

لیکن کوئی نہ پردہ کرے، نہ نماز پڑھے، نہ دین کی بات کرے، فقط گناہوں کے اندر زندگی ہو، اور اعمالِ صالحہ کی فکر ہی نہ ہو پھر ایسے سوچے کہ اللہ غفورٌ رَّحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہماری سوچوں سے بھی زیادہ غفورٌ رَّحیم ہے، لیکن اس دنیا کو دارالاسباب اللہ ہی نے بنایا ہے تو نافرمان کو سزا دی جاسکتی ہے۔ کارسازِ حقیقی پر اعتماد اور بھروسہ: کیمیائے سعادت نامی کتاب میں توکّل کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں

وکیل یعنی کارساز۔ کارسازِ حقیقی پر صدقِ دل سے اعتماد اور بھروسہ کیا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر سچے دل اور اعتماد کے ساتھ بھروسہ کیا جائے۔ پھر اس اعتماد کو مضبوط اور برقرار رکھا جائے تاکہ دل ہمیشہ اطمینان، سکون اور آرام سے رہے۔ اگر ظاہری اَسباب میں کسی وقت کوئی کمی آجائے، خرابی آجائے، کوئی مسئلہ بن جائے تو حوصلہ نہ ہارے، ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ پاک کی طرف سے امتحان ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھے، اسی کو کارساز سمجھے، اسی کو کافی سمجھے۔ اللہ تعالیٰ یہ صفت ہمیں عطا فرمائے۔ آمین

ماہ محرم الحرام تاریخ کے آئینے میں

از: حضرت مولانا ڈاکٹر تمیم احمد صاحب قاسمی
(چنئی ٹمل ناڈو ناظم، انجمن قاسمیہ چنئی ٹمل ناڈو، چیرمین، آل انڈیا تنظیم فروغ اردو)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

عالم اسلام کو اس دعا کے ساتھ اسلامی نیا سال کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَرِضْوَانٍ مِنَ الرَّحْمَنِ وَجِوَارٍ مِنَ الشَّيْطَانِ ترجمہ: اے اللہ اس چاند کو ہمارے اوپر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور رحمن کی رضامندی اور شیطان کے بچاؤ کے ساتھ داخل فرما۔ ماہ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ محرم کا لفظ تحریم سے نکلا ہے۔ اور تحریم کا لفظ حرمت سے نکلا ہے۔ حرمت کا لفظی معنی عظمت احترام وغیرہ کے ہیں۔ اس بناء پر محرم کا مطلب احترام اور عظمت والا ہے۔ چونکہ یہ مہینہ بڑی عظمت اور فضیلت رکھتا ہے۔ اس لیے اسے محرم الحرام کہا جاتا ہے۔ یوں تو محرم کا پورا مہینہ ہی مبارک ہے۔ مگر جس طرح رمضان کا آخری عشرہ پہلے دو عشروں سے افضل ہے۔ اور آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی رات سب سے افضل ہے۔ اسی طرح اس مہینہ میں عاشورہ کا دن تمام ایام سے افضل ہے۔ عاشورہ کا مطلب دسواں ہے یہ دن

چونکہ دسویں کو آتا ہے۔اس لیے اسے عاشورہ کہتے ہیں۔تاریخ اسلامی کے کئی اہم سبق آموز واقعات اسی مہینہ میں پیش آئے۔جن کا یاد رکھنا امت مسلمہ کے لیے ضروری ہے۔زندہ اقوام کی علامت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی تاریخ اسلاف کے کارناموں اور واقعات سے بے خبر نہیں رہتی۔ماہ محرم کی فضیلت۔ماہ محرم اپنی فضیلت وعظمت حرمت وبرکت اور مقام ومرتبہ کے لحاظ سے انفرادی خصوصیت کا حامل ہے۔محرم کے روزوں کی فضیلت۔محرم الحرام میں کی جانے والے ہر عبادت قابل قدر اور باعث اجر ہے۔

مگر احادیث مبارکہ میں محرم کے روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے.حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔رمضان کے روزوں کے بعد سب سے بہترین روزے اللہ تعالی کے مہینہ محرم کے روزے ہیں(مسلم)

پھر اس ماہ کے تمام ایام میں سے اللہ رب العزت نے یوم عاشورہ کو ایک ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔یہ دن بہت سے فضائل کا حامل ہے۔اور نیکیوں کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ارشاد نبوی ہے جو شخص عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتا ہے۔تو اللہ تعالی اس کے گزشتہ سال صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔(مسلم)

اہل ایمان کو یہودی کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔اور اس دسویں محرم کا روزہ چونکہ یہود بھی رکھتے تھے۔اس لیے اب ہمارے لیے حکم یہ ہے کہ دسویں تاریخ کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھیں تا کہ سنت بھی ادا ہو جائے۔اور مخالفت یہود کا پہلو بھی نکل آئے۔جیسا کہ حدیث میں ہے۔تم عاشورہ کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو اور اس سے ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ رکھو۔ماہ محرم کی بدعات ورسومات۔ماہ محرم برکات کا حامل مہینہ ہے لیکن بعض اس کی برکات سے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے بدعات ورسومات میں پڑ کر اس کی فضیلت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ذیل میں چند بدعات و رسومات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔تعزیہ کرنا ناجائز ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری ہے۔کیا تم ایسی

چیزوں کی عبادت کرتے ہوں جس کو خود ہی تم نے تراشا اور بنایا ہے۔ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے تراش کر بناتا ہے۔پھر منت مانی جاتی ہے،اور اس سے مرادیں مانی جاتی ہیں،اس کے سامنے اولاد وغیرہ کی صحت یابی کے لیے کی دعائیں کی جاتی ہیں۔اس کو سجدہ کیا جاتا ہے۔اس کی زیارت کو زیارت حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمجھا جاتا ہے۔یہ سب باتیں روح ایمان اور تعلیم اسلام کے اعتبار سے ناجائز ہے۔مجالس۔ذکر شہادت کے لیے مجالس منعقد کرنا ان میں ماتم کرنا نوحہ کرنا روافض کی مشابہت کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اس قوم میں سے ہے۔محرم کو غم کا مہینہ سمجھنا۔بعض لوگ اس مہینہ کو رنج والم کا مہینہ سمجھتے ہیں۔اور اس میں شادی بیاہ خوشی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہوئے مختلف قسم کے سوگ مناتے ہیں۔جیسا کہ کالا لباس پہننا عورتوں کا زیب وزینت اور بناوسنگھار کا چھوڑ دینا نوحہ کرنا ماتم کرنا وغیرہ ان لوگوں کا یہ خیال غلط ہے۔کیونکہ احادیث مبارکہ میں اس کے بہت سارے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

لہذا اس مہینہ کو غم کا مہینہ سمجھنا درست نہیں ہے۔محرم کے مہینہ میں شادی نہ کرنا۔بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئ ہے کہ محرم کے مہینہ خصوصا محرم کے شروع کے دس دنوں میں شادی بیاہ اور خوشی کے تقریبات وغیرہ کرنا حرام ہے۔حالانکہ اس میں بعض پڑھے لکھے لوگ بھی مبتلاء ہیں۔یہ سوچ غلط ہے۔کیونکہ شریعت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔شریعت میں محرم یا کسی دوسرے مہینہ میں نکاح سے منع نہیں کیا گیا ہے۔اور اس مہینہ میں زیادہ عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور نکاح بھی ایک عبادت ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی شادی کرتا ہے۔تو اس کا آدھا دین مکمل ہوتا ہے۔

لہذا اس ماہ میں نکاح کرنا ممنوع نہیں ہے۔حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر سبیل ادا کرنا۔حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر سبیل لگانا اور کھانا پکانا اس کو کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔محرم کے مہینہ کو خاص طور پر پہلے عشرہ میں سبیلیں لگانا پانی شربت وغیرہ کو خاص کرنا یہ دین میں

زیادتی ہے۔لوگ اس میں ایک غلط عقیدہ یہ بھیج رکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں بھوکے پیاسے شہید ہوئے تھے۔ یہ کھانا اور شربت ان کی پیاس کو بجھائے گا۔حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔دس محرم کو کاروبار اور روزی میں تنگی کا تصور۔دس محرم کو کاروبار کرنے کی وجہ سے پورے سال روزی میں تنگی رہتی ہے۔لہذا محرم کے دس دنوں میں کاروبار نہیں کرنا چاہیے یہ عقیدہ بناوٹی اور باطل ہے۔نوحہ۔غم اور مصیبت میں آنسو بہ جائے تو اس پر شریعت میں کوئی منع نہیں لیکن نوحہ کرنا اور ماتم کرنا اور میت کے اوصاف کو بیان کر کے رونا گناہ ہے۔کیونکہ نوحہ کرنے چیخنے چلانے کپڑے پھاڑنے اور منھ پر طمانچے مارنے وغیرہ جیسے کام شریعت میں منع ہیں۔محرم میں قبرستان جانے کی پابندی کرنا۔

بہت سے علاقوں میں یہ رسم موجود ہے۔لوگ دس محرم کو قبرستان جاتے ہیں۔قبروں کی لپائی کرتے ہیں۔ بتیاں جلاتے ہیں پھول ڈالتے ہیں ان کاموں کو خاص طور پر محرم کے دنوں میں کرنا اور ان دنوں میں مقصود سمجھنا بدعت ہے لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ ماہ محرم الحرام میں یوم عاشوراء زمانہ جاہلیت میں قریشِ مکہ کے نزدیک بڑا محترم دن تھا۔اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا۔اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ روایات اس کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملتِ ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے۔ان کاموں میں آپ ان سے اتفاق واشتراک فرماتے تھے۔اسی بنا پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔اپنے اس اصول کی بنا پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے۔لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے۔پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں یہود کو بھی آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان کی یہ روایت پہنچی کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے۔جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو بھی عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں (بخاری ۱/ ۲۸۱)

بعض حدیثوں میں ہے کہ آپ نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے؛ چنانچہ بخاری و مسلم میں سلمہ بن الاکوع اور ربیع بنت معوذ بن عفراء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ منورہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے۔ یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں اور جنھوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائیں بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں۔ بعد میں جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت ایک نفل روزہ کی رہ گئی (بخاری شریف ۱/ ۲۶۸، مسلم شریف ۱/ ۳۶۰)

لیکن اس کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں میں سب سے زیادہ اسی روزہ کا اہتمام فرماتے تھے۔

یومِ عاشورہ کی تاریخی اہمیت

یوم عاشورہ بڑا ہی مہتم بالشان اور عظمت کا حامل دن ہے۔ تاریخ کے عظیم واقعات اس سے جڑے ہوئے ہیں؛ چناں چہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

1. یوم عاشورہ میں ہی آسمان وزمین قلم اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔
2. اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔
3. اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔
4. اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہولناک سیلاب سے محفوظ ہوکر کوہِ جودی پر رکی۔
5. اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، خلیل اللہ" بنایا گیا اور ان پر آگ گلِ گلزار ہوئی۔

6. اسی دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

7. اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے رہائی نصیب ہوئی اور مصر کی حکومت ملی۔

8. اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک طویل عرصے کے بعد ملاقات ہوئی۔

9. اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات حاصل ہوئی۔

10. اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی۔

11. اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت واپس ملی۔

12. اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو سخت بیماری سے شفا نصیب ہوئی۔

13. اسی دن حضرت یونس علیہ السلام چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد نکالے گئے۔

14. اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہوئی اور ان کے اوپر سے عذاب ٹلا.

15. اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

16. اور اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے نجات دے کر آسمان پر اٹھایا گیا۔

17. اسی دن دنیا میں پہلی بارانِ رحمت نازل ہوئی.

18. اسی دن قریش خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے تھے۔

19. اسی دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا۔

20. اسی دن کوفی فریب کاروں نے جگر گوشۂ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا و حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو میدانِ کربلا میں شہید کیا۔

21. اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ (نزھۃ المجالس ۱/ ۳۴۷، ۳۴۸)

محرم اور ہم

از مفتی ناصر دین صاحب مظاہری استاذ مظاہر العلوم وقف سہارنپور

ہمارا نظریہ دینِ اسلام ہے اس کی بنیاد علاقائیت وطنیت نسل پرستی یا زبان نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا دین اسلام یہ نہ صرف مذہب ہے بلکہ ضابطہ حیات ہے۔ ہر قوم کا کوئی نہ کوئی کیلنڈر رہا ہے۔ یہودیوں کا سن ۳۷۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے۔ عیسوی سن کی ابتداء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت سے ہوتی ہے اس طرح بکرمی سن کی ابتداء مہاراجہ بکر ماجیت کو ساکھا قوم پر فتح حاصل ہونے کے واقعے سے ہوتی ہے۔ اس طرح سن ہجری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرتِ مدینہ کی یاد دلاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا یہ سفر آٹھ ربیع الاول کو ہوا۔ جو عیسوی سن کے مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ / کا واقعہ ہے۔

یہیں سے اسلامی سال کی ابتداء ہوتی ہے۔ جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نافذ کیا اور اسی سال یکم محرم الحرام سے اسلامی سن کی ابتداء کی گئی۔ گویا پہلے اسلام صدی کی ابتداء اور آغاز ۱۶ جولائی ۶۲۲ / کو ہوا۔ اس امر میں بھی ایک عجیب حکمت پنہاں ہے کہ جب پہلی اسلامی صدی کی ابتداء ہوئی تو یکم محرم الحرام کو جمعہ کا دن تھا۔ قمری تقویم اور اس کے فوائد اگر ہم سن ہجری کا دوسرے مروجہ سنین سے تقابل کر کے دیکھیں۔ تو یہ سن بہت سی باتوں میں دوسروں سے منفرد و ممتاز نظر آتا ہے۔ سن ہجری کی ابتداء چاند کو بنایا گیا۔ اور اسلامی مہینوں کا تعلق چاند سے جوڑا گیا۔ یہ تقدیم خالق کی بنائی چیز سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں کسی پیوند کاری کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام چونکہ سادہ عجز وانکساری والا آسان مذہب ہے۔ لاکراہ فی الدین لہٰذا چاند کے ذریعے ہر علاقہ کے لوگ خواہ پہاڑوں میں رہتے ہوں یا کہ جنگلوں میں خواہ جزیروں میں۔ ان کے لئے آسان ہے کہ اپنے معاملات چاند کے مطابق طے کریں۔

اس میں کوئی مشکل و پیچیدگی نہیں۔ پڑھے لکھے اور اَن پڑھ سب آسانی سے حساب کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس دیگر تقویمیں ہر آدمی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔ جبکہ چاند ہر جگہ نکلتا ہے۔ کسی مشکل

حساب کتاب کی ضرورت نہیں۔ جبکہ دوسری تاریخوں میں یہ بات نہیں۔ اسلام چوں کہ دینِ فطرت اور عدل وانصاف کا دین ہے۔ اس میں مساوات وہمہ گیری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہی پسند فرمایا۔ کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے آیا کریں۔ لہٰذا قمری تقویم کو بنیاد قرار دیا گیا۔ اگر اسلام دیگر اقوام کے طریق کو اپنا لیتا یا گوارہ کر لیتا جیسے شمسی عیسوی تقویم تو ماہ صیام کسی ایک مقام پر ہمیشہ ایک ہی موسم میں آیا کرتا جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا کہ نصف دنیا کے مسلمان جہاں موسم سرد اور دن چھوٹے ہوتے ہمیشہ آسانی میں رہتے۔ اسی طرح سفرِ حج کا بھی یہی حال رہتا۔ اللہ تعالی ہم سب کو محرم الحرام کے مہینوں میں تمام خرافات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

اور ہم مفتی ناصر الدین صاحب مظاہری استاذ مظاہر العلوم وقف سہارنپور محرم الحرام کے شروع ہوتے ہی مسلمان نما یہود، یہود نما ہنود، ہنود نما روافض اور بدعات وخرافات کے دلدادگان کی بڑی تعداد اپنے گھروں میں باجے بجانے لگتی ہے، ڈھولک کی آوازیں سماعتوں سے ٹکرانی شروع ہوجاتی ہیں، ناچ، راگ اور تماشوں کی وہ وہ حالتیں اور کیفیتیں ان دس دنوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ آسمان ،زمین، قلم ،حضرت آدمؑ ،حضرت اسماعیلؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق، اجابت توبہ، رفع حضرت ادریسؑ وعیسیٰؑ، کشتئ نوح کی لنگر اندازی، نار ابراہیم کا گلزار ہونا، حضرت یوسفؑ کی رہائی، حضرت یعقوبؑ سے ملاقات، بنی اسرائیل سے نجات، تورات کا نزول، حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت، حضرت ایوبؑ کو شفا شکم ماہی سے حضرت یونسؑ کی آزادی، قبولیت توبہ، قوم یونسؑ سے عذاب کا ٹلنا، پہلی بارانِ رحمت کا نزول، خاتم المرسلین کا نکاح اولین، نواسۂ رسول جگر گوشۂ فاطمہ بتولؓ حضرت حسینؓ کی کربلا میں دردناک شہادت اور قیام قیامت یہ سب واقعات وکرامات، حالات وکیفیات، اہم واقعات بعض مؤرخین کے نزدیک اسی تاریخ میں پیش آئے ہیں اس لئے اس کو صرف سیدنا حسینؓ سے جوڑ دینا گویا تاریخ کے گزشتہ تمام تر واقعات سے اغماض اور چشم پوشی کے مرادف ہے۔

خاص طور پر محرم میں نکاح کرنا، مٹھائی کی تقسیم، پانی یا شربت کی سبیلیں، ایصال ثواب کے لیے کھچڑا اور مختلف کھانوں پکوانوں کی تیاریاں، تعطیلات، ماتم کی مجالس اور تعزیہ کے جلوس میں شرکت یہ سب وہ متعدی لعنتیں ہیں جن میں ہماری کلمہ گو قوم ملوث ہے۔ میں کس منہ سے شیعوں کی مخالفت کروں حال یہ ہے کہ ہمارے ہی گھر میں اِس قسم کی بدعات اور خرافات جنم لے چکی ہیں۔ جی ہاں میں بات کر رہا ہوں ایک ایسے قصبہ کی جہاں علمائے دین ہیں، حفاظ کرام ہیں، مدارس دینیہ ہیں، مراکز اسلامیہ ہیں، یہاں شیعوں کی بڑی تعداد آباد ہے، گھلی ملی آبادی ہے، کہیں شیعوں کے محلے ہیں تو ان ہی میں کہیں کہیں سنی مسلمانوں کی رہائش گاہیں بھی ہیں۔ میں نے ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۳ء تک تقریباً چھ سال اسی قصبہ میں تعلیم حاصل کی ہے، میں اگرچہ کم عمر تھا لیکن تھوڑا بہت ہوشمند بھی تھا، کس طرح وہاں ماتمی جلوس میں کلمہ گو مسلمان شریک ہوتے تھے، کس طرح پورے شہر میں جشن اور چراغاں کی کیفیت رہتی تھی، کس طرح پورے شہر میں ایک عجیب ماحول اور مخمور فضا طاری رہتی تھی اس منظر کو جب بھی میں یاد کرتا ہوں افسوس ہوتا ہے، آپ حیرت کریں گے کہ اس قصبہ میں اکثریت کلمہ گو مسلمانوں کی ہے، اہل بدعات تو برائے نام ہیں ان کے سارے کام ہم انجام دیتے ہیں، دس محرم کو محلے محلے سے تعزیئے نکالے جاتے ہیں، ان کو بنانے والے، اٹھا کر چلنے والے، شرکت کرنے والے، کربلا نامی (مقامی) مقام تک پہنچانے والے، تعزیہ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں مسلمانوں کا ہجوم میری ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔

سچ کہوں دس محرم کو اہالیان قصبہ اپنے کلمے کو، اپنے مسلک کو، اپنے اسلاف کی تعلیمات کو، اپنی کتابوں کے دروس اور اسباق کو، مساجد کے منبر سے بلند ہونے والی تقریروں کو، رسائل اور کتابچوں، اخبارات و پوسٹروں میں ممانعت اور سد باب کے مضامین سب چیزوں کو بالائے طاق بلکہ بالائے چھت رکھ کر اس ہجوم میں جس شد و مد کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اس کو دیکھ کر اُس وقت اتنی تکلیف نہیں ہوتی تھی کیونکہ کم سن تھا، ایک تماشا اور کھیل سمجھ کر شاید خوشی ہی ہوتی ہوگی کیونکہ مدرسہ میں تعطیل بھی ہو جاتی تھی،

آپ خود بتائیں جام بھی ہو، صراحی بھی ہو، سبو بھی ہو، تنہائی بھی ہو، رسم دنیا بھی ہو، موقع بھی ہو، دستور بھی ہو تو ایک کم سن اور کم عمر طالب علم کیا اویس قرنی کا کردار ادا کرے گا ہم بھی تماش بینوں کی حیثیت سے کسی نہ کسی ہجوم کا حصہ بن جاتے تھے، کھانے پینے کا خیال کہاں، تھکاوٹ کا نام ونشان بھی نہیں محسوس ہوتا تھا۔ سونے چاندی کے تعزیئے، زنجیروں سے اپنے آپ کو لہولہان کرنے کے مناظر، جگہ جگہ لگی ہوئی سبیلیں، کوئی شبر وشبیر کو یاد کر کے رو رہا ہے، کوئی حضرت حسینؓ کے قصے رو رو کر بیان کر رہا ہے، کوئی حضرت حسین کی صاحب زادیوں کی قربانیوں کو یاد کر کے نالہ وبکا سے آسمان کو سر پر اٹھائے ہوئے ہے، کوئی کہیں تقریر سے، کوئی کہیں مجلس سے، کوئی کہیں کسی اور ذریعہ سے محبت حسینؓ اور قربانئ حسینؓ کی نظمیں پڑھ پڑھ کر روپے بٹور رہا ہے۔ کیسے کیسے لوگ ان تعزیوں پر روپوں کی برسات کرتے تھے توبہ توبہ۔ عبا والے، قبا والے، جبہ ودستار والے سب اس دن بے دست وپا نظر آتے تھے۔ خود ہمارے مدرسہ کے بالکل متصل ایک بڑا امام باڑہ تھا پتہ نہیں اب بھی ہے یا ختم ہو گیا جب کہ اس کے قرب وجوار میں، دور ونزدیک شاید ہی کسی شیعہ کا گھر ہو۔ دیکھا جو تعزیہ کو تو پنڈت نے یہ کہا تو نے میرے مندر کا نقشہ چرا لیا کاغذ میں جب حسین کو تو نے بلا لیا پتھر کی مورتی میں خدا کیوں نہ آئے گا؟ خود دیکھ لیجئے ! کہاں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور کہاں ان کے نام پر ڈھول تماشے، کہاں جگر گوشۂ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے نام پر خرافات، کہاں صاحب زادگان وشہزادگانِ صحابہ اور ان کی یاد میں یہ بدعات ورسومات۔ لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ تمام کے تمام صحابہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ہدایات پر جانیں قربان کرنے والے تھے وہاں دور دور تک یہ بدعات اور ان کا تصور نہیں تھا، بہت بعد میں کچھ عیاش بادشاہوں، کچھ مفسد سازشیوں اور کچھ چاپلوس قسم کے لوگوں نے اپنے عیش وطرب کے لئے یہ چیزیں شروع کر دی تھیں تا کہ ان کو کچھ مشغلہ مل جائے۔

ہمارے آقا نے رونے دھونے، سینہ کوبی کرنے، ماتم اور بکا ہر چیز سے منع فرما دیا ہے، جب تین دن سے زیادہ تعزیت کی اجازت نہیں تو یہ چودہ سو سال بعد بھی ہر محرم میں نوحہ و بکا کی اجازت کیونکر دی جا سکتی ہے۔ دوسرے پہلو سے دیکھئے یہ دولت جو اس دن تعزیوں اور دیگر خرافات میں خرچ کر دی جاتی ہے اسی رقم سے آپ جوان یتیم و بے سہارا غریب بچیوں کے نکاح کر سکتے تھے، تعلیمی اور رفاہی ادارے کھول سکتے تھے، زچہ بچہ کے ہوسپٹل کھول سکتے تھے تا کہ ہماری بہنیں غیروں کے سامنے برہنہ اور رسوا نہ ہوں لیکن کچھ نہیں بس ایک لکیر ملی ہوئی ہے بالکل کفار و مشرکین کی طرح کہ جو کام ہمارے باپ داداؤں نے کام کئے ہیں ہم ان ہی پر چلیں گے۔ قالوا بل وجدنا آباءنا کذٰلک یفعلون۔ نبی کی نہیں مانیں گے، صحابہ کو نہیں مانیں گے، خلفائے اربعہ کو نہیں مانیں گے، بلکہ بہت سے صحابہ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں گے، ان کی کردار کشی کریں گے، کتابوں اور شریعت کو نہیں مانیں گے۔ مانیں گے تو صرف شیطان کو اس کے حکموں کو، اس کی ایجاد کردہ رسوم اور بدعات کو۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب۔ پھر گیارہ محرم کو یہی طبقہ نہایت عجز و انکساری کے ساتھ آپ کے پہلو میں آپ کے ساتھ آپ کی مسجد میں نماز ایسے پڑھ رہا ہوتا ہے کہ اگر فرشتے ان کی تر دامنی کو دیکھ لیں تو ان کے دامن سے ہی وضو کرنے پر فخر کریں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں۔

کفر کو، کفریہ باتوں کو، بدعات کو، بدعات کے قرب کو، خرافات کو، خرافاتی افراد کو طلاق دیدیجئے، جس کسی نے کسی بھی قوم کی بھی مشابہت اختیار کی وہ ان ہی میں شمار ہوگا اور دنیا میں اگر اسلام کے دشمن سے دوستانہ اور یارانہ گانٹھا ہے تو یقین کریں کہ قیامت کے دن ان ہی کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔ اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا ہے، آپ بھی روزہ رکھیں، اس سے پہلے یا بعد ایک دن مزید روزہ رکھنے کا حکم شریعت میں ہے اس لئے ضم روزہ بھی کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال کے لئے کھانے پینے کے معاملہ میں وسعت کا امر فرمایا ہے اس کی بھی تعمیل کریں باقی جو کام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام سے ثابت نہیں ہیں ان سے احتراز واحتیاط کریں۔ کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار

ماہ محرم الحرام کے فضائل ومسائل

از: حافظ محمد ابراہیم نقشبندی (خلیفہ مجاز پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب)

ماہ محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا قمری مہینہ ہے۔ لغت کے حساب سے محرم کا مطلب ہے: معظم، محترم، معزز۔ یہ مہینہ اعزاز والا ہے، احترام والا مہینہ ہے اس لیے اس کا نام محرم ہے۔ محرم چار عظمت والے مہینوں میں سے ہے: محرم کا مہینہ ان چار مہینوں میں سے ہے، جن کو اللہ تعالی نے "اشہر حُرُم" یعنی حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے۔ جو اللہ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے، جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ (التوبۃ، آیت نمبر:36)

اس کی تفصیل حضرت ابوبکرہؓ کی روایت میں اس طرح آئی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک زمانہ پھر اپنی پہلی اسی حالت پر آ گیا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ تین تو لگاتار یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں پڑتا ہے۔ ان مہینوں کو اشہر حُرُم کہنے کی وجہ: ان مہینوں کو حرمت والا مہینہ دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا: ایک اس لیے کہ اس میں قتل وقتال حرام ہے، دوسرے اس لیے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں، ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے، البتہ ان میں سے پہلا حکم تو شریعتِ اسلام میں منسوخ ہو گیا، جبکہ دوسرا حکم ادب واحترام

اورعبادت گزاری کا اہتمام،شریعت میں اب بھی باقی ہے۔

ماہ محرم میں عبادت کی فضیلت اور برے اعمال اور گناہ کی شدت: محرم اور باقی حرمت والے مہینوں میں نیک اعمال کرنا دوسرے مہینوں کی بنسبت زیادہ افضل ہے، اوران مہینوں میں ظلم (گناہ) کرنا، دوسرے مہینوں کی بنسبت زیادہ سخت گناہ ہے۔

امام ابوبکر جصاص نے لکھا ہے:" ان بابرکت مہینوں میں جو شخص عبادت کرتا ہے، اس کو دوسرے مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق ہوجاتی ہے، اور جو شخص ان مہینوں میں گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا، تو اس کے لیے سال کے باقی مہینے بھی گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے"۔

(احکام القرآن:4/308، ط: دار إحیاء التراث العربی)

اس لیے ان مہینوں میں عبادت کرنے اور گناہوں سے بچنے کے انوار و برکات سے فائدہ اٹھانے کی سعی وکوشش کرنی چاہیے۔محرم کے مہینے میں روزے کی فضیلت: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے مہینے کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔(صحیح مسلم:2756)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں پورے ماہ محرم کے روزے مراد ہیں، لہذا روزے رکھنے کی یہ فضیلت صرف دس محرم کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ پورے مہینے میں کسی بھی دن روزہ رکھنا فضیلت کا باعث ہے۔(مرقاۃ المفاتیح:(467/4، ط: دار الکتب العلمیۃ)

دس محرم کے روزے کی فضیلت: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ عاشوراء کے دن کا روزہ ایک سال پہلے کے گناہ مٹادے گا"۔

(سنن الترمذی:252)

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عاشورہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دن کو افضل جان کر روزہ رکھا ہو، سوائے عاشورہ کے، اور نہ ہی کسی مہینے کا سوائے رمضان کے۔ یعنی دنوں میں عاشورہ اور مہینوں میں رمضان کو افضل مانتے تھے۔ (صحیح مسلم: 2662)

یوم عاشورہ کے روزہ کا حکم:

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھے، تو مستحب یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور بھی رکھے، چاہے نو محرم کا روزہ ہو یا گیارہ کا۔ یوم عاشورہ کو اپنے گھر والوں پر فراخی کی فضیلت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے کے سلسلے میں فراخی اور وسعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں وسعت عطا فرمائیں گے۔ (شعب الایمان: (333/5، ط: مکتبۃ الرشد، ریاض)

نیکیوں کے لیے ٹارگٹ بنائیں:

محرم الحرام کے آغاز سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے۔ سال 1444 ہجری ختم ہونے والا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم نیکیوں میں آگے بڑھنے کے لیے اہداف بنائیں۔ ہم اپنے کچھ اچھے اچھے ٹارگٹ بنائیں۔ جیسے کمپنیاں جب کاروبار کرتی ہیں تو ہر سال ختم ہونے پر بتاتی ہیں کہ اس سال ان کی کارکردگی کیا رہی۔ اور اگلے سال کا جو ٹارگٹ وہ دیتی ہیں، وہ پہلے سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہم بھی اپنے اگلے سال کے لیے نیکیوں کے ٹارگٹ پہلے سے زیادہ بنائیں۔ اب دنیا کا وقت اور کم ہو گیا ہے۔ جو وقت ہم لے کر آئے تھے وہ اور کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ روز ایک دن کم ہو رہا ہے، لہٰذا اور زیادہ فکر کی ضرورت ہے۔

جیسے کرکٹ کے اندر Runs زیادہ باقی ہوں اور Over کم رہ جائیں تو انسان کو ذرا محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ ہماری زندگی کے Over میں بھی یہ ایک Over اور کم ہو گیا۔ سال کو Over گن لیں۔ آج کل کے نوجوانوں کو یہ ہی Language سمجھ آتی ہے، تو سمجھ لیں کہ ایک Over اور گزر گیا۔ اور یہاں تو ایک ہی Chance ملتا ہے، دوبارہ والا معاملہ نہیں ہے۔ ہم غور کریں کہ ابھی تک ہم نے اللہ کو راضی کر لیا ہے کہ نہیں، ہمارے دلوں میں سکون آیا ہے کہ نہیں۔

اگر نہیں آیا تو پھر محنت کی ضرورت ہے، بہت محنت کی ضرورت ہے۔ اپنا جائزہ لیں! ہم یہ سوچیں کہ کیا اس سال میں ہم اپنے اللہ کو راضی کر پائے ہیں؟ ایک سال ہماری زندگی کا اور ختم ہونے والا ہے تو کیا اس میں ہم نے اللہ کو راضی کر لیا ہے؟ اگر نہیں کیا تو توبہ کے ذریعے ہم اللہ تعالی کو راضی کرنے کی فکر کریں کہ ہماری زندگی سے ایک سال اور ختم ہو گیا اور ہم اپنی موت کے اور قریب ہو گئے۔ اب نیا سال شروع ہونے والا ہے تو اس میں ہم نیت اور ارادہ کریں کہ اے اللہ! اس آنے والے سال کو ہم پہلے سے بہتر گزاریں گے۔ اعمال کے حساب سے بھی، اخلاق کے حساب سے اور کردار کے حوالے سے بھی ہم پہلے سے بہتر گزاریں گے۔ ان شاء اللہ!

یونیفارم سول کوڈ ہمیں کیوں تسلیم نہیں؟

از: مدثر الصالحی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

ہمارا ملک ہندوستان ایک جمہوری نظام کا حامل ہے یہاں پر ہر قسم کے افراد بستے ،اور رہتے ہیں یہاں ایک طرف ہندو، مسلم بھائی بھائی کی طرح رہتے ہیں تو دوسری طرف عیسائیوں کے کھاندوں پر سکھوں کے ہاتھ رہتے ہیں، الغرض ہمارا ملک ہندوستان مختلف اقوام کا گہوارہ ہے اور یہاں پر ہر ایک کو اپنے اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی کھلی چھوٹ ہے کسی کو کسی پر نکتہ چینی کی گنجائش نہیں۔۔

یونیفارم سول کوڈ کیا ہے؟

مولانا منت اللہ رحمانی صاحب رحمہ اللہ اپنی کتاب یونیفارم سول کوڈ میں فرماتے ہیں کہ یونیفارم سول کوڈ ، یا یکساں شہری قانون، سے مراد وہ قوانین ہوا کرتے ہیں جو کسی بھی مخصوص خطہ زمین پر آباد لوگوں کی شہری زندگی کے لئے بنائے گئے ہوں۔ اور وہ قوانین ہر فرقہ وطبقہ کی شہری زندگی میں کارفرما ہوں۔

خواہ ان میں سماجی اور تاریخی روایات کے لحاظ سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو ان قوانین کے ذیل میں فرد کی شخصی اور خاندانی زندگی آتی ہے۔ اور نکاح وطلاق، فسخ وہبہ، وصیت وو راثت اور تہنیت جیسے معاملات ان ہی قوانین کی روشنی میں حل کئے جاتے ہیں یعنی سول کوڈ کے ذیل میں وہ سارے امور آجاتے ہیں جن کا تعلق پرسنل لا سے ہوا کرتا ہے۔ (ص2)

ہم کو یونیفارم سول کوڈ کیوں تسلیم نہیں؟

اس لئے کہ یہ شریعتِ اسلامیہ کے بالکل متضاد ہے جس طرح روشنی اور تاریکی متضاد ہیں۔ یونیفارم سول کوڈ کا تقاضہ یہ ہے کہ پورا ملک ایک قانون پر چلے سب کے لئے ایک حکم ہو اگر ہم اس کو تسلیم کرلے تو شریعت مطہرہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا جو ہمارے لئے کسی بھی قیمت پر منظور نہیں مسلمان سب کچھ قربان کرسکتا ہے لیکن اپنی شریعت کا سودا کسی بھی قیمت پر نہیں کرسکتا جو مسلمان یونیفارم سول کوڈ کی تائید میں ہیں ان کے متعلق فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی شعیب اللہ خان صاحب حفظہ اللہ اپنے مضمون یونیفارم سول کوڈ اور مسلمانوں کا موقف میں لکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے دو ہی راستے ہیں، یا تو صاف صاف اللہ کے قانون کو تسلیم کر کے یکساں سول کوڈ سے براءت کا اظہار کریں، یا یکساں سول کوڈ کو تسلیم کر کے دعوائے ایمان واسلام سے دست بردار ہو جائیں۔

اور "یؤمِنُونَ بِبَعْضٍ وَ یکفرون ببعض" کا فلسفہ جو منافقین نے بنایا تھا، جس کی تردید قرآن نے کی ہے، اس کو چھوڑ دیں، کیونکہ یہ فلسفہ نفاق، اسلام میں نہیں چل سکتا۔ جو لوگ اس ملک میں یکساں سول کوڈ لانا چاہتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کے متعلق فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ اپنے مضمون یکساں سول کوڈ دستور کے خلاف اور نا قابل عمل میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ یکساں سول کوڈ کے وکیل ہیں، وہ بنیادی طور پر دو باتیں کہتے ہیں: ایک یہ کہ اس سے قومی یکجہتی پیدا ہوگی، دوسرے جب یورپ میں تمام قوموں کے لئے یکساں قانون ہوسکتا ہے تو ہندوستان میں کیوں نہیں ہوسکتا؛ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں، قانون سے قومی یکجہتی پیدا نہیں ہوتی، قومی یکجہتی، رواداری، تحمل اور ایک دوسرے کے معاملہ میں عدم مداخلت سے پیدا ہوتی ہے، دنیا کی دونوں جنگ عظیم بنیادی طور پر ایسی دو قوموں کے درمیان ہوئی ہے، جن کا مذہب ایک تھا، جن کی

تہذیب ایک تھی، جن کا قانون اور طرز زندگی ایک تھا، یہ ساری وحدتیں جنگ کو روکنے اور قومی وحدت پیدا کرنے میں ناکام رہیں، خود مسلم ممالک میں دیکھئے کہ عراق و ایران، شام و افغانستان کے مختلف گروہوں کے درمیان اس کے باوجود جنگیں ہو رہی ہیں کہ وہ بنیادی طور پر ایک ہی مذہب اور ایک ہی قانون کی حامل ہیں، ہندوستان ہی کو دیکھئے کہ یہاں مختلف راجاؤں کے درمیان جنگوں کی ایک طویل تاریخ ہے، یہ سب ایک ہی طریقہ زندگی پر چلنے والے لوگ تھے؛

لیکن یہ وحدت ان کو جوڑ نہیں پائی اور آج بھی فرقہ وارانہ فسادات اس لئے نہیں ہوتے کہ مسلمانوں کا معاشرتی قانون الگ ہے اور ہندوؤں کے خاندانی رسوم و رواجات الگ ہیں؛ بلکہ اس کے برعکس مذہبی قانون سے ہٹ کر جب نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دام محبت میں گرفتار ہو کر بین مذہبی شادی رچاتے ہیں تو اس سے فرقہ وارانہ تناؤ پیدا ہوتا ہے اور قومی یکجہتی پارہ پارہ ہو جاتی ہے؛ اس لئے یہ سوچنا قطعاً غلط ہے کہ قانون کی وحدت کی وجہ سے قومی یکجہتی پیدا ہوگی، ویسے بھی عائلی زندگی کے علاوہ تمام قوانین میں پہلے سے یکسانیت موجود ہے؛ لیکن کیا یہ یکسانیت قومی اتحاد کو برقرار رکھنے میں کافی ثابت ہو رہی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قومی یکجہتی اس بات سے پیدا ہوگی کہ ہر گروہ کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنی تہذیب کو پروان چڑھانے کا موقع دیا جائے، اس سے ہر گروہ میں اطمینان ہوگا، وہ محسوس کریں گے کہ وہ اس ملک میں برابر کے شہری ہیں، اس سے حب الوطنی میں اضافہ ہوگا، احساس محرومی ختم ہوگا، بھائی چارہ کا ماحول پیدا ہوگا اور یہی قومی یکجہتی ہے، یورپ کی جو مثال ہندوستان کے لئے پیش کی جاتی ہے، وہ بالکل بے محل ہے، ہندوستان اتنا وسیع ملک ہے کہ پورا یورپ اس کے ایک حصہ میں سما جائے، اور ہندوستان کی آبادی اتنی کثیر ہے کہ شاید پورا یورپ مل کر بھی اس کی ہمسری نہ کر سکے؛ اس لئے ہندوستان جیسے ملک کی سالمیت اور قومی یکجہتی اسی بات میں مضمر ہے کہ اس میں تنوع کو برقرار رکھا جائے اور ایسی وحدت پر زور نہ دیا جائے، جو اتحاد کو پارہ پارہ کر کے رکھ دے۔

یکساں سول کوڈ کا نفاذ نقصان دہ ہے!

عبدالواحد قریشی صاحب (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) فرماتے ہیں کہ حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے اس بات کو محسوس کیا جانا چاہئے کہ اتحاد اور ہم آہنگی کی بنیاد دراصل اپنائیت کا احساس ہے اور یہ احساس اس اعتماد سے پیدا ہوتا ہے کہ میرے ملک میں میری کسی عزیزشی، میرے مذہب، میرے تمدن، میری شناخت اور میری پہچان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ مختلف شناختوں کو تسلیم کرنے سے قومی یکتائی، ہم آہنگی اور اتحاد کو قوت ملے گی۔ کسی یونیفارم سول کوڈ کو مسلط کرنے کے نتیجے میں محرومی اور عدم تحفظ کے جذبات ابھریں گے جو ملک کے اتحاد اور یک جہتی کے لئے خطرہ بھی بن سکتے ہیں۔ اس لئے صحیح راستہ یہی ہے کہ آرٹیکل (۴۴) کو دستور سے نکال دیا جائے کیوں کہ یہ آرٹیکل یونیفارم سول کوڈ کے مسئلہ کو بار بار ابھرنے کا موقع دیتا ہے جس سے ملک کو کوئی مفاد حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس سے ملک کے مفادات مجروح ہوتے ہیں اور ان کو نقصان پہنچتا ہے۔ (دستور ہند اور یونیفارم سول کوڈ ص 24) الغرض خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم کو کسی بھی قیمت پر یکساں سول کوڈ تسلیم نہیں ہے ہم اس کو تسلیم کر کے اپنی شریعت کا سودا کسی بھی حالت میں ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔

میاں بیوی کے اختلافات کے اسباب اوران کا حل

از: مفتی منصور صاحب مفتاحی (استاذ مفتاح العلوم میل وشارم)

ہمارے معاشرتی مسائل میں بہت بڑا مسئلہ میاں بیوی کے اختلافات کا ہے، کہیں شوہر کو بیوی سے شکایت ہے تو کہیں بیوی شوہر سے بیزار ہے۔ روز روز کی لڑائی کے سبب نہ صرف خود ان کی اپنی زندگی تکلیف دہ ہوتی ہے بلکہ اس کے برے اثرات ان کی اولاد پر بھی پڑنے لگتے ہیں، اولاد کے دل میں نہ باپ کا ادب رہتا ہے نہ ماں کی عزت ان اختلافات کا آغاز آپس کی تلخ کلامی، تو تو، میں میں اور گالی گلوچ ولعن طعن سے ہوتا ہے۔ گالم گلوچ اور مار پیٹ کے رستے سے خلع اور طلاق تک جا پہنچتا ہے۔ جس کے نتیجے میں میاں وبیوی دونوں کا تعلق کسی دین دار باحیا ومہذب خاندان سے ہو تو دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ بچوں کا مستقبل تباہ ہوجاتا ہے۔ عورت ماں باپ کے گھر میں جاکر اُن کے لئے یا ان کی طرف سے اپنے لئے پریشانیوں والا راستہ اختیار کرلیتی ہے، جس پر چلتے ہوئے اس کے میکے میں اس کے ماں باپ کے درمیان یا بھائی بھائیوں کے درمیان اختلافات ومسائل کا ایک نیا دور شروع ہوجاتا ہے۔ کسی بھی دارالافتاء میں جاکر معلوم کریں کہ وہاں کس قسم کے مسائل سامنے آتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ سب سے زیادہ پوچھے جانے والے سوالات طلاق وخلع اور فسخ نکاح سے متعلق ہوتے ہیں۔ اختلاف کے حل کا ایک قومی نسخہ غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ میاں وبیوی کے اختلاف کئی ہیں کیوں نہ ہوں، وہ چند لمحوں میں حل اور ختم کیے جاسکتے ہیں، وہ ایسے کہ اختلاف چاہے کسی بھی سبب سے پیدا ہوا ہو، اسے باقی رکھنے والا عنصر ہمیشہ انسان کی انا ہوتا ہے، چاہے وہ مرد کی طرف سے ہو، چاہے عورت کی طرف سے، جانبین میں سے اگر کوئی ایک اپنی انانیت کو چند لمحوں کے

لئے ختم کردے اور جھک جائے معافی مانگ لے، خاموش ہو جائے تو دیکھ لیجیئے گا کہ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ممکن ہے کے شیطان اس وقت آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کرے کے انانیت کرنے کا مطلب یہ ہے کے تم بیوی کے پیچھے لگ جاؤ اسے سر پر چڑا لو ذلیل ہو جاؤ۔ اپنی قدر گھٹا لو وغیرہ وغیرہ۔ ان وساوس پر کان نہیں دھرنا چاہئے بالکل اہمیت نہیں دینی چاہئے ان کے مقتضی پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔ اس وقت آپ نے ان وساوس سے بچتے ہوئے صلح کر لی تو اس کے بعد اختلاف کے نام ونشان بھی مٹ جائے گے۔۔

اختلاف کی ایک وجہ اور اس کا حل

میاں و بیوی کے درمیان اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے سے مختلف الگ الگ مزاج پر پیدا کیا ہے جس میں دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مرد و عورت کے مزاج کا فرق من جانب اللہ ہے جس کی طرف حضرت ابو ہریرہ رض کی ایک حدیث میں اشارہ دیا گیا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: استوصوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ المَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (صحیح البخاری)

عورتوں کے بارے میں میری نصیحت سن لو۔ کہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اس حال پر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے بارے میں میری نصیحت سن لو۔ (ان سے اچھا سلوک کرو) اس روایت میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب مردوں سے ہے، معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے اختلافات میں شریعت نے مردوں کو سمجھایا ہے کہ وہ بڑے ہیں۔

لہذا ہر مرد کو بڑے پن کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مرد میں عقل کا غلبہ ہوتا ہے، جب کہ عورت میں جذبات کا پہلو غالب ہوتا ہے، لہذا میاں بیوی کی لڑائی میں سمجھنے اور سمجھانے کے زیادہ امکانات مرد کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پس مرد چوں کہ ذمہ دار بھی ہے اور اس میں عورت کی نسبت عقل کا پہلو بھی غالب ہے، لہذا اسے اپنی ذمہ داری اور تخلیق شدہ فطرت کا خیال رکھتے ہوئے گھر کو جوڑنے میں عورت کی نسبت زیادہ قربانی دینی پڑتی ہے یا دینی چاہئے۔

انہیں وجوہات اور خوبیوں کی بنا پر طلاق دینے کا حق اور اختیار بھی مرد ہی کو دیا گیا ہے۔ اور اگر مرد یہ عزم کر لے کہ اسے اپنی بیوی کو سیدھا کر کے ہی رہنا ہے، تو اس کا یہ اقدام اور کوشش اسے توڑنے کے مترادف ہے میاں بیوی کے درمیان صلح کا کردار ادا کرنے والے ثالث کو بھی چاہئے کہ میاں بیوی کے اختلافات کو حل کرنے کے لئے مرد کو زیادہ سمجھائے۔ کیوں کہ عورت کو اللہ تعالٰی نے فطرتاً کم زور بنایا ہے لہذا اس کی اس فطری کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے ساتھ حکمت و بصیرت کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ اگر ہم شریعت کے احکامات پر عمل کریں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون زندگی کو حرز جان بنالیں گے تو یہ تمام جھگڑے فسادات ان شاء اللہ ختم ہو جائیں۔

اللہ تعالٰی ہمارا حامی و ناصر ہو اور ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

وقت کی قدر کریں سال تو ہر سال بدلتا ہے

از: مفتی محمد ندیم علی قاسمی (امام وخطیب مسجد محمدیہ آدرش نگر نرمل معلم جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات تلنگانہ)

اللہ کریم کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بہت ہی پیاری اور قیمتی نعمت وقت ہے، وقت ایک ایسی نعمت ہے جو ہر انسان کو یکساں ملتی ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ غریب کے ل دن ورات میں 24 گھنٹے ہیں، اور امیر کے لئے 27، بلکہ اللہ پاک نے ہم میں سے ہر ایک کو دن ورات میں ڈبل بارہ (24) گھنٹوں میں 1440 منٹ یا 86400 سکنڈ عطا فرما، اب یہ ہم پر ہے کہ کون ان اوقات کی قدر کرتا ہے، اور کون انہیں ضائع و برباد کرتا ہے، وقت کے ساتھ جو جیسا سلوک کرے گا وقت بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے گا، اگر کوئی وقت کی قدر کرتا ہے تو وقت اس کا مقدر بنا دیتا ہے، وقت کی قدر کے متعلق اللہ کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا" والعصر ان الانسان لفی خسر "ترجمہ: قسم ہے زمانے کی بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت. (پارہ ۳۰ العصر)

اگر میرے اور آپ کے پاس وقت ہے تو زندگی ہے، اور اگر وقت نہیں تو زندگی نہیں، وقت انتہائی قیمتی ہے. سورۃ عصر ہمیں پکار پکار کہ رہی ہے کہ ہم زندگی اور وقت کی اہمیت کو سمجھے، اور زندگی یوں گزارے کہ ہمارے پاس ایمان ہو، نیک اعمال ہو، ہم سنتوں کے پابند ہو، نیکی کی دعوت دینے والے ہو۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ان شاء اللہ ہمارا شمار بھی ان لوگوں میں ہوگا جو اللہ پاک کے فضل سے محروم نہیں ہوں گے۔ وقت کی اہمیت کے متعلق پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحة والفرغ ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہے جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکہ میں ہیں ایک صحت دوسری فراغت (بخاری 2224 حدیث 6412)

ہماری زندگی کے لمحات انمول ہیرے ہیں اگر ان کو ہم ضائع کر دیا تو حسرت وندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔ ہمیں چاہئے کہ وقت کی قدر کریں کیونکہ اگر یہ ضائع ہوگیا تو دوبارہ نہیں مل سکتا جبکہ اگر دولت ضائع ہوگئ تو پھر مل سکتی ہے۔ وقت ایک ایسی دولت ہے جس کے درست استعمال سے انسان بلندی پر پہونچ سکتا ہے، جبکہ غلط استعمال اسے پستی کا شکار کرسکتا ہے۔ بزرگان دین وقت کی بہت قدر کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے حضرت سیدنا عمر ابن عبدالعزیزؒ سے عرض کی: یا امیر المؤمنین یہ کام آپ کل مؤخر کر دیجئے ارشاد فرمایا: میں روزآنہ کا کام ایک دن میں بمشکل مکمل کر پاتا ہوں اگر آج کا کام بھی کل پر چھوڑ دوں گا تو پھر دو دن کا کام ایک دن میں کیسے کرسکوں گا۔ (انمول ہیرے 17)

وقت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہر کامیاب انسان بھی کہتا ہے وقت کی قدر کرو اور ناکام انسان بھی کہتا ہے وقت کی قدر کرو، کامیاب انسان وقت کی قدر کرکے یہ کہتا ہے اور ناکام انسان وقت ضائع کرکے یہہ کہتا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فضول کاموں کا شوق رکھنے والوں اور وقت کو ضائع کرنے والوں کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے دہلی میں قیام تھا، اللہ تعالی نے ان کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، ساتھ میں بڑے نازک مزاج تھے، ان کی نازک مزاجی کے بڑے واقعات مشہور ہیں، ایک مرتبہ دو طالب علموں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہے ہم ان کی خدمت میں جائیں اور ان سے بیعت ہوں اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کریں، چنانچہ یہ دونوں طالب علم اپنے شہر "بلخ" سے جو اس وقت ترکستان کا حصہ تھا، وہاں سے سفر کرکے دہلی پہنچے، دہلی کی مسجد میں حضرت مرزا صاحبؒ کا قیام تھا، اس میں گئے نماز کا وقت قریب تھا، یہ دونوں وضو کرنے کے لئے مسجد کے حوض پر بیٹھ گئے، اور وضو کرنا شروع کیا، حضرت مرزا صاحبؒ بھی کہیں قریب تھے، البتہ یہ دونوں طالب علموں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ حوض بڑا ہے یا ہمارے بلخ کی مسجد کا حوض اگر

بڑا ہے؟ دوسرے طالب علم نے کہا کہ مجھے یہ بڑا معلوم ہوتا ہے، پہلے نے کہا کہ نہیں "بلخ" کی مسجد کا حوض بڑا ہے۔ اس پر دونوں کے درمیان بحث شروع ہوگئ۔

ایک کہتا ہے بلخ والا حوض بڑا ہے، دوسرا کہتا ہے دہلی والا حوض بڑا ہے اور دلائل اپنے شروع کردئے اور وضو بھی کرتے رہے لیکن وضو ختم ہوگیا اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا، پھر ان دونوں نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد حضرت مرزا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ہم آپ سے بیعت ہونے اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے آئیں ہیں، حضرت نے فرمایا کہ پہلے یہ تو بتاؤ کہ یہ فیصلہ ہوا یا نہیں کہ کونسا حوض بڑا ہے بلخ کا یا دہلی کا، اب دونوں بڑے شرمندہ ہوئے اور کہا کہ حضرت فیصلہ تو ہوا نہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ آپ دونوں کو فضول کاموں میں رہنے کا بڑا شوق ہے، حضرت نے فرمایا کہ اگر یہ پتہ چل جائے کہ بلخ کا حوض بڑا ہے یا دہلی کا تو اس سے دنیوی یا اخروی کوئی فائدہ ہے؟ کہ تم نے فضول بحث میں اپنے آپ کو لگا رکھا ہے، ہمارے اکابر اس طبیعت کے تھے کہ فضول کاموں میں مشغول ہوکر اپنے وقت کو ضائع کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے، ہمارے اکابر کی یہ عادت تھی کہ جس چیز کے بارے میں شریعت نے کوئی خاص حکم نہیں دیا بلکہ اس کے بارے میں شریعت نے چھوٹ دی ہے تو اس کے اندر مزید تحقیق کرنے کو بھی ناپسند فرمایا بلکہ اس کو بھی وقت کا ضیاع فرمایا، چونکہ ہماری زندگی کا ایک حصہ تو دوسروں کی باتیں کرنے اور سننے میں نکل جاتا ہے، گھنٹوں گھنٹوں گزر جاتے ہیں لیکن وقت کے ضائع ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا، حالانکہ جو زندگی کا وقت ملا ہے وہ بہت قیمتی ہے، اس قیمتی زندگی کے قیمتی وقت کو اپنی آخرت بنانے کی فکر میں لگائیں تو یہ وقت ہماری زندگی کا سب سے قیمتی وقت ہوگا، وقت کی قدر کرنا ہم سب کے لئے ضروری ہے، اس لئے کہ سال تو ہر سال بدلتا ہے، بدلتے ہوئے ایام کے ساتھ اپنی زندگی میں مثبت طریقے سے تبدیلی لانا اور فکر آخرت میں زندگی گزارنا یہ شریعت کا ضابطہ و اصول ہے، الغرض چونکہ ہم سب ایک نئے سال کی

شروعات کرنے جارہے ہیں جو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے ہم اس بات کا عہد کریں کہ اب تک کی زندگی جس طرح گزر گئی سو گزر گئی آنے والی زندگی اور زندگی کے لمحات کو ہم قیمتی سمجھ کر گزاریں گے۔
یہ ایک چھوٹی سی تحریر تھی جو اکابر کی تحریروں اور ان کی کتب سے اخذ کی گئی تھی۔ اللہ پاک ہم سب کو وقت کی قدر کرنے اور فکر آخرت میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب

از: مدثر الصالحی

☆ ولادت: محرم الحرام 1315ھ/ 1897ء بروز یکشنبہ سرزمین دیوبند میں یہ آفتابِ علم وحکمت طلوع ہوا۔ (حیات طیب ج 1 ص 42) اسم گرامی: تاریخی نام مظفر الدین رکھا گیا ایک روایت کے مطابق حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا عبدالغنی پھلاودی رحمہ اللہ نے تاریخی نام خورشید قاسم رکھا مگر اصل نام محمد طیب تجویز ہوا اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔۔

☆ شجرہ نسب: حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب رحمہ اللہ بن حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمہ اللہ بن حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بن شیخ اسعد علی بن شیخ غلام بخش بن شیخ محمد بخش بن شیخ علاء الدین بن شیخ ابوالفتح بن شیخ محمد مفتی بن شیخ عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم۔ (ایضاً ص 43)

☆ بسم اللہ خوانی: آپ رحمہ اللہ کو 1322ھ میں تعلیم وترتیب کے لیے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں دے دیا گیا وقت کے اساطین علم اور شیوخ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ، شیخ طریقت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی رحمہ اللہ، اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا محمد احمد صاحب قاسمی رحمہ اللہ

جیسے اساطین علم نے بسم اللہ شروع کرائی۔(ایضاً ص45)

☆ تعلیم: دوسال کی مدت میں آپ نے پورا قرآن مجید مکمل کیا اور اس کے ساتھ قرات وتجوید میں مہارت تامہ حاصل کی۔حفظ قرآن شریف سے فراغت کے بعد درجہ فارسی میں داخل کئے گئے اور وہاں سے پانچ سال میں پورا نصاب مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی اس کے بعد شعبہ عربی میں داخلہ لیا چونکہ بچپن ہی سے خدا تعالیٰ نے بے حد قوت حافظہ بطورِ خاص ودیعت فرمائی تھی،جس مقدس شخصیت کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نسبی انتساب تھا،ان ہی کی نسبت روحانی نے مخفی صلاحیتوں کی روحانی تربیت ونگہداشت فرمائی۔آٹھ سال کی مدت میں آپ رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند کی تمام نسابی تعلیم سے 1337ھ میں فراغت پا کر سند فضیلت حاصل کی۔(ایضاً46)

☆ اساتذہ: حفظ قرآن، تجوید وقرات میں مولانا قاری عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ، فارسی میں حضرت مولانا یسین صاحب رحمہ اللہ (والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ)،فنون میں ابوالاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی رحمہ اللہ،اور علوم کتاب وسنت میں علامہ دہر،الاستاذ الاکبر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ،شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ،مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانی رحمہ اللہ،فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی رحمہ اللہ،حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین رحمہ اللہ ،مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ اور مولانا ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ سے استفادہ کیا۔(ایضاً47)

☆ رفقاء درس: حضرت مولانا مفتی شفیع رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان،حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ،مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ اور مولانا میرک شاہ کشمیری رحمہ اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(ایضاً ص47)

☆ بیعت وسلوک: آپ رحمۃ اللہ علیہ اولا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے پھران کی وفات کے بعد حضرت انور شاہ کشمیری رح سے اصلاحی تعلق جوڑا پھراس کے بعد حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے منسلک ہوئے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے خلافت نصیب ہوئی۔

☆ نکاح: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح قصبہ رامپور کے رہنے والے حکیم ضیاء الدین صاحب رحمہ اللہ (جو حضرت ابوایوب انصاری رضی للہ عنہ کے خاندان سے تھے اور حضرت حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ سے بیعت تھے) کے حقیقی بھائی حاجی علاء الدین صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا حافظ محمود صاحب رحمہ اللہ فاضل دیوبند وزیر ریاست اندرگھڑ (راجپوتانہ) کی بڑی صاحب زادی حنیفہ خاتون سے بیس سال کی عمر میں 1334ھ میں ہوئی۔اس نکاح کا پیغام شیخ الہند رحمہ اللہ لے کر رامپور گئے تھے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے سو،سواسو علماء صلحاء جو بصورت بارات رامپور گئے تھے،ان کی موجودگی میں نکاح پڑھایا۔خدمات: حضرت مولانا اسلام صاحب قاسمی رحمہ اللہ حضرت حکیم الاسلام کی خدمات کا مختصر تعارف پیش کیا ہے بندہ اسی کو یہاں نقل کررہا ہے۔فرماتے ہیں کہ: ۱۳۴۳ھ میں آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم مقرر کیا گیا، چنانچہ وہ منتظم اعلیٰ حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے ساتھ اہتمام کی ذمہ داریوں اور انتظامی امور کے جائزے میں حصہ لیتے رہے، ۱۳۴۸ھ میں اکابر وشیوخ نے دارالعلوم کے بڑے انتظامی اور قائدانہ منصب اہتمام پر آپ کو فائز کیا،اور تاحیات وہ دارالعلوم کے مہتمم رہے۔اس دوران آپ نے دارالعلوم دیوبند کی خدمات اجاگر کرنے اور ایک عظیم دینی درسگاہ کی حیثیت سے متعارف کرانے کے لئے مختلف ممالک کے سفر کئے، ہندو پاک و بنگلہ دیش میں تو مستقل اسفار ہوتے۔

اس کے علاوہ افغانستان، برماء سعودی عرب، کویت، عرب امارات، قطر، یورپ کے مختلف ممالک اور امریکہ کے علاوہ افریقہ کے بہت سے ممالک کا دورہ کیا، ان تبلیغی اور دعوتی دوروں میں دارالعلوم کو شہرت حاصل ہوتی رہی، ہندوستان میں واقع اس دینی واسلامی علوم وفنون کی اشاعت کے عظیم مرکز کا تعارف ہوتا رہا۔ حضرت حکیم الاسلام کے دور اہتمام ہی میں دارالعلوم کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی، پھر ایک وقت وہ آیا، جب ۱۹۸۰ء میں دیوبند کی سرزمین پر عہد آفریں اور تاریخ ساز اجتماع منعقد ہوا، دارالعلوم کے اس اجلاس صد سالہ میں اسلامی ممالک کے نمائندوں نے دارالعلوم کی مرکزیت اور مسلمانوں کے دلوں میں اس کی مقبولیت اور عظمت کا اندازہ لگایا۔

عمائدین، علماء اور دانشوروں کے طبقے نے دارالعلوم دیوبند اور اس کے منتظم ومہتمم حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب کی خدمات وکارناموں کا برملا اعتراف بھی کیا۔

مسلم پرسنل لاء کی حفاظت اور اس کے دفاع کا موقعہ آیا تو ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا، اس کی صدارت کے لئے موزوں ترین اور تمام مسلمانوں کے لئے معتمد شخصیت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کی تھی، اخیر عمر تک بالاتفاق اس متحدہ بورڈ کے صدر رہے اور مسلمانوں کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ یہ جامع کمالات، پیکر علم وحلم ہستی نہ صرف دارالعلوم کے اہتمام وتولیت سے ہی وابستہ ہوکر رہی بلکہ اپنے خداداد علوم ومعارف کو عام کرنے کیلئے تبلیغ دین اور رد باطل میں ہندو پاک کے ہر ہر گوشہ میں پہونچی، ملت کو اپنے بلیغانہ مواعظ اور حکمت ریز خطابات سے مستفید کیا۔ ان کی خطابت کو ملک گیر شہرت حاصل تھی، ان کی تقریر کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں تھی، عوام الناس، اہل علم اور جدید تعلیم یافتہ افراد یکساں طور پر ان کی تقریر سننے کے مشتاق ہوتے، کسی بھی موضوع پر دو تین گھنٹے تک خطاب کرنا، کتاب وسنت سے استدلال اور علوم ومعارف سے لبریز کردینا ان کا خاصہ تھا۔ ان کی نجی مجلسوں میں بھی علوم کے خزانے ملتے، جب دیوبند میں قیام ہوتا تو بعد عصر ان کی قیام گاہ پر

مجلس ہوتی، جس میں حاضرین مختلف سوالات کرتے اور آپ وہی علم وحکمت بیان کرتے جو حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے ان کو حاصل ہوئے تھے، وہ صحیح معنوں میں ان یگانہ روزگار ہستیوں کے علمی وارث تھے، اور ان کے علوم کو عام بھی کرتے تھے۔ (دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام رحمہ اللہ ص106)

☆ اہم تصنیفات: 1 التشبہ فی الاسلام 2 تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام 3 سائنس اور اسلام 4 دینی دعوت کے قرآنی اصول 5 اسلام اور فرقہ واریت 6 ایک قرآن 7 ملفوظات حکیم الاسلام 8 کلمات طیبات 9 تبرکات طیب 10 مقالات حکیم الاسلام 11 مکاتیب طیب 12 اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام 13 اسلامی مساوات 14 دین و سیاست 15 مسئلہ قضا و قدر 16 اسباب عروج وزوال اقوام 17 الاجتہاد والتقلید 18 مسئلہ اردو زبان ہندوستان میں 19 فطری حکومت 20 شان رسالت 21 فلسفہ نماز 22 شرعی پردہ 23 علم غیب 24 داڑھی کی شرعی حیثیت 25 نظریہ دو قرآن پر ایک نظر 26 فلسفہ طہارت 27 آفتاب نبوت 28 حدیث رسول کا قرآنی معیار 29 انسانیت کا امتیاز 30 اسلام کا اخلاقی نظام 31 مقامات مقدسہ 32 علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج 33 مشاہیر امت 34 شہید کربلا و یزید 35 فلسفہ نعمت ومصیبت 36 کلمہ طیبہ 37 حاشیہ عقیدۃ الطحاوی 38 عالم برزخ 39 معجزہ کیا ہے؟ 40 آنکھ کی کہانی 41 اسلام اور مغربی تہذیب 42 خاتم النبیین 43 اسرائیل کتاب وسنت کی روشنی میں 44 جنونِ شباب۔ (ایضاً ص65)

☆ وفات: 17 جولائی 1983ء صبح 11 / بج کر 10 منٹ پر اس دارفانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد نماز عشاء احاطہ دارالعلوم میں آپ رحمہ اللہ کے صاحبزادے خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم صاحب رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی پھر قاسمی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اولاد:1) حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ۔2) مولانا اسلم صاحب قاسمی رحمہ اللہ۔3) جناب حافظ محمد عاصم رحمہ اللہ۔4) جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد اعظم صاحب قاسمی رحمہ اللہ۔

خلفاء:* حضرت مولانا محمد سالم صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند * مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب، سابق استاذ دارالعلوم دیوبند * علامہ رفیق احمد صاحب بھیسانی * مولانا حکیم محمد اسلام صاحب، مہتمم مدرسہ نورالاسلام، میرٹھ۔* مولانا معین الدین صاحب، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ، بیڈ، دکن * مولانا انوار الحسن صاحب، مبلغ دارالعلوم دیوبند * مولانا حکیم عبدالقدوس صاحب، دیوبند * مولانا عبید اللہ صاحب، ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، لاہور (پاکستان)۔* جناب صوفی عبدالرحمن صاحب بمبئی * مولانا ابرار احمد صاحب، صدر مدرس مدرسہ ترکیسر ضلع سورت، گجرات۔* مولانا محمد حامد صاحب صدیقی، پروفیسر عثمانیہ کالج، حیدرآباد، دکن * مولانا محمد زید صاحب، پروفیسر اسلامیہ کالج، لائل پور (پاکستان) * مولانا حفظ الکبیر صاحب، جلال آباد * مولانا عبدالحق صاحب قاسمی نواکھالی (بنگلہ دیش) * ابوبکر احمد صاحب، بمبئی * مولانا شیخ اخلاق احمد صاحب دیوبندی مقیم کراچی (پاکستان) * جناب اسماعیل صاحب بزرگ مجاز صحبت، بمبئی۔* مولوی قاری حفظ الرحمن صاحب ابن قاری محمد شریف صاحب دیوبندی مقیم دہلی ※* مولوی عبدالحق صاحب، سلہٹ، (بنگلہ دیش) * مولانا قمرالزماں صاحب بنگالی، خطیب جامع مسجد کرلا، بمبئی۔* مولانا یوسف شرقی صاحب، بنگلور۔* مولانا منصور الحق صاحب، بردوان * مولانا محمود صاحب گیورائی۔ مولانا انوار الحسن صاحب، بردوان * مولانا محمد عثمان میمن صاحب، کراچی (پاکستان)۔ جناب شیخ عبدالرحمن نورولی، مکہ مکرمہ * جناب محمد علی صاحب ایڈوکیٹ، حیدرآباد * مولانا عبدالقدوس حماد صاحب وارانسی * مولانا محمد زید صاحب، فیصل آباد (پاکستان)۔ (حیات طیب ج 1 ص 306)

افادات حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

از: محمد صابر حسین تلنگانہ (متعلم دارالعلوم وقف دیوبند)

"ترک دنیا کا مطلب"

فرمایا: اسلام میں ترک دنیا کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کی نعمتوں کو چھوڑ دو وہاں یہ ہے کہ اس میں مبالغہ مت کرو، غلومت کرو، حد سے مت گزرو، اعتدال کے ساتھ استعمال کرو، اس سے اپنا بھی کام چلاؤ اور اپنے بھائیوں اور اپنے عزیزوں کی خدمت کرو تمہاری آخرت بنے گی۔

"عبادت کا مغز"

۔فرمایا: کہ میں کہتا ہو تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ دعا قبول نہیں ہوئی، نہ دنیا میں ملا نہ آخرت میں ملا، کچھ نہ ملا مگر دعا مانگنا خود تو عبادت ہے۔ تو عبادت کی توفیق ہوئی یہ کوئی کم نفع ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ "الدعاء مخ العبادۃ" دعاء عبادت کا مغز ہے۔

"زندگی کیا ہے"

فرمایا: زندگی فی الحقیقت ذکر اللہ کی یاد کا نام ہے، جب کائنات نباتات اور جمادات کی زندگی اسی سے ہے تو انسان کی زندگی اس سے کیوں نہیں ہوگی، اسلئے انسان کو سب سے زیادہ ذاکر ہونا چاہئے۔ تب ہی وہ زندہ ہوگا بلکہ زندہ جاوید بن جائے گا۔

"عبادت کا معنی"

فرمایا: عبادت کا معنی یہ ہے کہ "پوری زندگی اللہ کے احکام کے نیچے گزرے" یہ عبادت ہے، دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے، گھر میں بیوی سے معاملہ کرنا بھی عبادت ہے، تہجد پڑھنا بھی عبادت ہے

، یہ تمام چیزیں عبادت میں داخل ہے ۔ جو اللہ تعالی نے زندگی بنائی ہے اس زندگی کو اللہ تعالی کے احکام کے نیچے جاری رکھنا یہ فی الحقیقت حقیقی عبادت ہے۔

" کائنات کی روح"

فرمایا: اس کائنات کی روح ذکر اللہ یعنی اللہ کی یاد ہے، اسی طرح سے پوری شریعت کی روح بھی ذکر اللہ کی یاد ہے، اگر دنیا میں سے روح نکل جائے تو دنیا ڈھانچہ بن جائے گی، شریعت میں سے اگر کوئی اس روح کو نکال دے تو یہ عادت بن جائے گی عبادت نہیں رہے گی۔

"تخلیق انسان"

فرمایا: کہ ساری مخلوق انسان کے کام کے لئے پیدا کی گئی ہے، لیکن انسان ان میں سے کسی کے کام کا نہیں یہ خالق کے کام کا ہے، اور خالق کا کام یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے، اس کے سامنے نیاز مندی برتے، عبادت کرے اور جھکے، حاصل یہ کہ انسانی زندگی کا مقصد اصلی یہ نکل آیا کہ "طاعت واطاعت خداوندی" ہو، اسلئے یہ سارا کا خانہ قائم کیا گیا ہے۔

" کائنات خادم انسان"

فرمایا: کہ اللہ تعالی سے لو لگائیں گے تو یہ ساری کائنات آپ کی خدمت کرے گی، لیکن آپ اپنے خالق کو چھوڑ کر اس دنیا سے لو لگائیں تو مالک کا کیا بگڑے گا وہ تو یہ چاہے گا کہ یہ انسان گولی مار دینے کے قابل ہے۔

"تواضع کی حقیقت"

فرمایا: کہ بلندی کا تعلق پستی سے ہے، اسلئے آدمی جتنا ہی بلند ہوگا اتنا ہی اس کے اندر تواضع ہوگا، اسلئے جتنا ہی اللہ کے سامنے پست ہوگا اتنا ہی بلند ہوگا، من توضع للہ رفعہ اللہ یعنی جو تواضع اختیار کرے گا اللہ اس کو بلند فرمائے گے۔ (ماخوذ از جواہر حکمت محمد اسحاق ملتانی)

آہ محدث کبیر استاذ الاساتذہ

حضرت مولانا مفتی اسلام صاحب قاسمی رحمہ اللہ

از مدثر الصالحی

ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اٹھا آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا جمعہ کا مبارک دن تھا صبح کا سہانا وقت تقریبا آٹھ بجے اچانک مادرِ علمی ام المدارس دارالعلوم وقف دیوبند کی اطیب المساجد سے دلگداز ودل حزین اعلان ہوتا ہے جس سے دل گھبرا جاتا ہے آنکھوں سے آنسوں جاری ہوجاتے ہیں فضا سوگوار ہوجاتی ہے شہر دیوبند میں غم کے سیاہ بادل چھاتے ہیں ہر فرد کی زبان سے اناللہ وانا الیہ راجعون کا ورد جاری ہوجاتا ہے ہر طرف آہوں کی صدائیں گونجنے لگتی ہے اور مادر علمی کا پتہ پتہ بوٹا بوٹا ہر شجر وحجر، در ودیوار اپنے ایک عظیم محسن کو کھوکر زبان حال سے پکار اٹھتے ہیں آہ دنیا سے کمالات کا ایک کہکسار گیا چھوڑ کر اب ہمیں ایک اور بھی غمخوار گیا۔ اس قحط الرجال کے دور میں اصحاب علم وفضل کا یکے بعد دیگرے تھوڑے تھوڑے وقفے میں داعئ اجل کو لبیک کہنا جن کی بے پناہ استعداد وصلاحیتوں سے امت اسلامیہ مستفید ہوتی ہے کوئی قیامت صغریٰ سے کم نہیں یوں تو موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں موت وحیات اس عالم فانی کا ایک خاصہ ہے شاعر کہتا ہے موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے لیکن اکابر امت اور علماء صلاحاء کا اس طرح چلا جانا ایک بہت بڑے المیہ کی بات ہے کیونکہ یہ لوگ قوم کے روشن چراغ ہوتے ہیں جن سے دین کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے یہ معاشرے کے حسن ووقار ہوتے ہیں آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ لَا يَنْزِعُ الْعِلْمَ بَعْدَ أَنْ أَعْطَاهُمُوْهُ انْتِزَاعًا، وَلَكِنْ يَنْتَزِعُهُ

مِنْهُمْ مَعَ قَبْضِ الْعُلَمَاءِ بِعِلْمِهِمْ. فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ، يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُوْنَ بِرَأْيِهِمْ. فَيُضِلُّوْنَ وَيَضِلُّوْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ تمہیں علم عطا کرنے کے بعد اسے (سینوں سے) اُٹھا نہیں لے گا، بلکہ یوں اٹھائے گا کہ علماء کو ان کے علم سمیت اٹھالے گا۔ پھر باقی جاہل لوگ رہ جائیں گے جن سے فتویٰ طلب کیا جائے گا تو وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے۔ چنانچہ وہ (لوگوں کو) گمراہ کریں گے اور (خود بھی) گمراہ ہوں گے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

حضرت اقدس رحمہ اللہ کا تعلق جھارکھنڈ سے تھا آپ علم وعمل کے ایک درخشندہ ستارے تھے ایک عظیم محدث وادیب سے جانے پہچانے جاتے تھے آپ نے سن 1971ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث مکمل کیا اور حضرت علامہ فخر الدین مرادآبادی سے بخاری شریف پڑھی عربی ادب وافتاء وغیرہ سے فراغت حاصل کرکے سن 1976ء میں دیوبند کا مشہور مجلہ الداعی کے اجرا کے موقع پر ادیب العصر حضرت مولانا وحید الزمان کیرانوی رحمہ اللہ نے معاون مدیر منتخب کیا پھر سن 1982ء میں دار العلوم کے تقسیم کے بعد دار العلوم وقف کو تشریف لائے اور تقریبا چالیس سال تک طالبانِ علم نبوت کو اپنے خداداد صلاحیتوں سے مستفید کرتے رہے۔۔آپ تقریباً چار سال سے بیمار تھے اس طویل مدت کے بعد بروز جمعہ صبح سویرے 26 ذوالقعدۃ 1444ھ مطابق 16 جون 2023ء اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے انا للہ انا الیہ راجعون نماز جنازہ بعد عشاء حاطہ دارالعلوم دیوبند مولسری میں ادا کرکے ہزاروں علوم نبوت کے ہاتھوں مزار قاسمی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے آپ کی مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

دلائل کی دنیا کا با تاج بادشاہ

(مولانا طاہر حسین گیاویؒ)

از: مفتی عبداللہ مدبر صاحب صدیقی وقاسمی مہتمم جامعہ عزیزیہ ہنسور، میسور

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے. بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا یہ دنیا فانی ہے رب العالمین کی ذات بے مثال باقی ہے اس روئے زمین پر کتنی مقدس ہستیاں تشریف لائیں اور وہ اپنے اپنے وقت پر داعی اجل کو لبیک کہا امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تبارک وتعالی علیہ وسلم سے بڑھ کر بعد از خدا کوئی ہستی نہیں لیکن قانون فطرت خداوندی رحلت ہے جنکی رحلت پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین مثل ماہی بے آب تلملا اٹھے خلیفہ ثانی کو خلیفہ اول تسلی و دلاسہ دینا پڑا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد اول پر تاریخی جملے کہنے پر مجبور ہوئے

(من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات و من کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت. رواہ البخاری)

علماء انبیاء کے وارث ہیں عالم کی موت عالم کی موت ہے مقولہ مشہور ہے. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عالم کی موت اسلام میں ایک ایسا رخنہ ہے کہ جب تک لیل ونہار گردش کرتے رہیں گے اس کو کوئی چیز پر نہیں کرسکتی . اسی صف میں حضرت مناظر اسلام مولانا طاہر گیاوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ شامل ہیں۔ واقعی اس امت مسلمہ کے لئے نا قابل تلافی خسارہ ونقصان ہے حضرت علیہ الرحمہ شیر کی دھاڑ. علماء دیوبند کے ترجمان. مسلک حق مسلک اہل سنت وجماعت احناف دیوبند کی شان. اہل بدعت وغیر مقلدیت کے قلعوں کے قامع. براہین ودلائل کی دنیا کے باکمال با تاج بادشاہ . اخلاق میں ستودہ صفات منکسر المزاج اسم بامسمی طہارت کے پیکر. احقاق حق وابطال باطل کے سرخیل مناظروں

میں مدمقابل کے لئے دیوبندی بجلی کی طرح چمکدار تیز دھار سیف مسلول بدمذھبوں بدعقیدوں بددینوں گستاخوں پلیدوں یزیدوں مودی نوازوں امیت منگتوں بھکاری درندوں کے لئے مثل عزرائیل۔ وہ کون تھے وہ کون تھے ارے وہ کون تھے؟

سن لو پڑھ لو دیکھ لو! وہ سلطان المناظرین قطب زمان عالم باکمال فاضل باجلال قاہر اہل ضلال حامی توحید وسنت ماحی شرک وبدعت وکیل احناف علمائے دیوبند حضرت العلام مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اللہ حضرت اقدس رحمہ اللہ کو غریق رحمت فرمائے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اعلی علیین میں اعلی مراتب پر فائز فرمائے انبیاء کرام صحابہ کرام اولیاء عظام کے ساتھ حشر نصیب فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید الامین صلی اللہ تبارک وتعالی علیہ وسلم۔

یونیفارم سول کوڈ پر تجزیاتی نظم

از: قلم مفتی حسن گودھروی

مالی کو بدلنا ہے قانون چمن بندی * بس ایک ہی رنگت ہو ہر شاخ درختاں کی
کہتا ہے فلاح ہوگی قانون کی وحدت سے * ہندوں کی طرح ہوگی بہبود مسلماں کی
دستوری تفرقہ سے گلشن میں تفرقہ ہے * ہر ایک نشیمن ہے تصویر بیاباں کی
اب ایک ہی لاٹھی سے ہر ایک کو ہانکیں گے * یہ ریت بدل دیگی تقدیر پریشاں کی
کرگس کے جہاں میں اب شاہیں کا جہاں ہوگا * یہ فرق مراتب ہے بنیاد بیاباں کی
صیاد صفت مالی کیا جانے چمن بندی * منشاء ہے فقط اس کا بربادی گلستاں کی
ہے ایک ہی الو بس گلشن کی تباہی کو * ہر شاخ پہ الو ہے بس خیر ہو بستاں کی
راجا ہوا گر چوپٹ اندھیر نگر ہوگا * ہم رتبہ بنے گی شب خورشید درخشاں کی
جا کر کوئی سمجھائے فطرت سے نہ ٹکرانا * رسوائی جہاں بھر میں ہوگی تیری عنواں کی
خالق نے بنائے ہیں فطرت کے اصول ایسے * پامال نہ ہو ہرگز حرمت کسی انساں کی
ہر رنگ کے پھولوں سے آبادی شبستاں کی * فکروں کے تغیر سے رونق ہے دبستاں کی
آؤ کے سبھی مل کر مالی ہی بدل ڈالیں * ورنہ تو تباہی ہے اس بارگلستاں کی